بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان اور قرآن

۳۰ دن، ۳۰ درس

حجۃ الاسلام والمسلمین محسن قرائتی کی تفسیر نور سے اقتباس

ترتیب و تنظیم: علی محمد متوسلی

ترجمہ

حجۃ الاسلام مولانا اقبال حیدر حیدری

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: رمضان اور قرآن ۳۰ دن اور ۳۰ درس
حجۃ الاسلام والمسلمین محسن قرائتی کی تفسیر نور سے اقتباس

ترتیب و تنظیم: علی محمد متوسلی

مترجم: حجۃ الاسلام مولانا اقبال حیدر حیدری

طباعت: باراول

سال اشاعت: مئی ۲۰۱۸ء

تعداد اشاعت: پانچ سو (۵۰۰)

قیمت: چالیس (۴۰) روپے

ناشر
المصطفیٰ پبلیکیشنز
نئی دہلی

عرض ناشر

قارئین کرام سلام علیکم۔۔۔

جیسا کہ آپ واقف ہیں آج کے دور میں قرآن اور اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کے لئے رسا بیان وقلم کی ضرورت زیادہ محسوس کی جاتی ہے اور ہمارا مقصد ہمارے مخاطب نسل جوان ہیں کہ جن کے اندر جذبہ اسلام موجزن ہے اور وہ حقیقت کو جاننا اور اس سے واقف ہونا چاہتے ہیں ہیں تو قرآن اور اس کی آیتوں اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات واحادیث سے آشنائی سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے۔

اسی لئے جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ کے شعبہ ہندوستان نے حجۃ الاسلام والمسلمین محسن قرائتی کی نہایت عمدہ طرز پر آسان اور سہل زبان میں تیار کردہ معارف اسلامی کا اردو ترجمہ جوان نسل کی خدمت میں پیش کر کے ان کے استفادہ اٹھانے پر مبنی ترغیبی اقدام کیا ہے، کتاب حاضر ''رمضان اور قرآن'' تیس درس پر مشتمل ہے، ہم آپ کے مفید مشوروں کو اپنے لئے سرمشق بنانا چاہتے ہیں تا کہ اس طرح کی اور بھی کتابیں آپ کے حضور پیش کر سکیں۔شکریہ

المصطفیٰ پبلیکیشنز

نئی دہلی

فہرست

مقدمہ مؤلف ۱۱

پہلا درس

خطبہ شعبانیہ ۱۶

دوسرا درس

روزہ ۲۱

روزہ کے آثار و برکتیں ۲۱

روزہ رکھنے کے آداب و شرائط ۲۳

افطاری ۲۴

تیسرا درس

قرآن میں تدبّر اور غور و فکر ۲۷

قرآن کریم میں تدبّر اور غور و فکر کی ضرورت ۳۰

چوتھا درس

قرآن کریم کے امتیازات ۳۳

پانچواں درس

دعا ۴۰

چھٹا درس

نماز کی اہمیت ۴۸

ساتواں درس

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۵۳

آٹھواں درس

سورہ حمد کی تفسیر ۶۰

نواں درس

نماز شب ۶۸
سحر خیزی اور عبادت میں شب بیداری ۷۰

دسواں درس

دو بھلا دئے گئے واجب ۷۲

گیارہواں درس

ماں باپ ۷۹

بارہواں درس

شکر اور شکر گزاری ۸۸

تیرہواں درس

خدا کی طرف سے معین شدہ کارندے ۹۵

چوہواں درس

اسلام میں مقدسات ۹۸

پندرہواں درس

ہجرت ۱۰۵

سولہواں درس

تفسیر سورہ قدر ۱۱۲

سترہواں درس

تقدیریں ۱۲۰

اٹھارہواں درس

اہل بیت علیہم السلام ۱۲۵

انیسواں درس

اہل بیت علیہم السلام کی موڈّت ۱۳۱

بیسواں درس

امامت وولایت ۱۳۸

اکیسواں درس

امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) ۱۴۵

بائیسواں درس

شفاعت ۱۴۹

تیئسواں درس

گناہ اور نافرمانی ۱۵۴

چوبیسواں درس

توبہ ۱۶۳

پچیسواں درس

قیامت ۱۶۹

چھبیسواں درس

''انفاق''یعنی راہ خدا میں خرچ کرنا..... ۱۷۴

ستائیسواں درس

مسجد ۱۸۱

اٹھائیسواں درس

اجتماعی آداب ۱۸۷

انتیسواں درس

گھر اور خاندان..... ۱۹۵

تیسواں درس

کامیاب ہونے والوں کی عید ۲۰۱

حوالہ جات:..... ۲۰۷

مقدمہ مؤلف

قائین کرام!

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ کے موقع پر ماہِ قرآن میں قرآنی مقابلوں کے لئے بعض احباب کے ذہن میں ایک ایسے عمدہ کتابچہ کی تالیف کا خیال پیدا ہوا جو آسان و روان، مختصر اور ماہِ رمضان کے لئے مناسب ہو اور سب کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہو، جسے تفسیر نور سے اقتباس کریں اور مختصر تبدیلی کے ساتھ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کریں۔

ماہِ رمضان المبارک کے ۳۰/دنوں کے لئے قرآنی اور تفسیری مطالب اور حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات کے نکات پر ۳۰/درسوں پر مشتمل یہ کتابچہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، امید ہے کہ یہ انتخاب، ترتیب اور خلاصہ، قرآن وحدیث سے اُنس ومحبت کے لئے اور آپ حضرات کی عمر شریف اور وقت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لئے ایک بہترین قدم ثابت ہوگا۔

ہم خداوند عالم کی بارگاہ میں آپ حضرات کے لئے اس ماہِ مبارک اور دیگر مہینوں میں خلوص و برکت، عبادتوں اور کوششوں کی قبولی کی دعا کرتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ یہ کتابچہ آپ حضرات کے لئے مفید واقع ہوگا، ہم آپ تمام حضرات سے دعا کی گزارش کرتے ہیں۔

محسن قرائتی

پہلا درس

رمضان المبارک

خدا کی مہمانی کا مہینہ

''شَهْرُ رَمَضانَ الَّذی أُنْزِلَ فیهِ الْقُرْآنُ هُدیً لِلنَّاسِ وَ بَیِّناتٍ مِنَ الْهُدی وَ الْفُرْقانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَ مَنْ کانَ مَریضاً أَوْ عَلی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَیَّامٍ أُخَرَ یُریدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لا یُریدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلی مَا هَداکُمْ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُونَ''۔[1]

''ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں لہٰذا جو شخص اس مہینہ میں حاضر رہے اس کا فرض ہے کہ روزہ رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو وہ اتنے ہی دن دوسرے زمانہ میں رکھے، خدا تمہارے بارے میں آسانی چاہتا ہے زحمت نہیں چاہتا، اور (یہ روزوں کا مسئلہ) اتنے ہی دن کا حکم اس لئے ہے کہ تم عدد پورے کردو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس

---

[1] ۔سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵

کی کبریائی کا اقرار کرو، شاید تم اس طرح اُس کے شکر گزار بندے بن جاؤ''۔

''رمضان''، ''رَمض'' کے مادّہ سے جلا دینے کے معنی میں ہے؛ البتہ اس طرح جلانا جس میں دھواں اور راکھ نہ ہو۔ اس مہینہ کا نام اس وجہ سے ''رمضان'' رکھا گیا ہے کہ اس میں انسان کے گناہ جلا دیئے جاتے اور وہ نابود ہو جاتے ہیں۔

ماہِ رمضان میں قرآن نازل ہوا ہے اور یہ وہ اکیلا مہینہ ہے جس کا نام قرآن مجید میں آیا ہے، اور شب قدر بھی اسی مہینہ میں ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمام آسمانی کتابیں اسی ماہِ رمضان المبارک میں نازل ہوئی ہیں۔ ماہِ رمضان، خداوند عالم کے بہترین مہینوں میں سے ایک ہے۔(۱) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ شعبان کے آخری جمعہ کو ماہِ رمضان کی اہمیت کے سلسلہ میں ایک طولانی خطبہ ارشاد فرمایا جسے بعض تفسیروں اور حدیث کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح امام سجاد علیہ السلام کی صحیفہ سجادیہ میں ماہِ رمضان کے استقبال میں ایک دعا اور اسی طرح اس مہینہ سے وداع میں دلسوز مناجات بیان کی ہے۔

رمضان المبارک میں مومنین کو ''**یا ایّها الذین آمنوا کتب علیکم الصّیام**'' کے ذریعہ خداوند عالم کی مہمانی کی طرف دعوت دی گئی ہے، اور اس مہمانی میں کچھ امتیاز پائے جاتے ہیں:

۱۔ خداوند عالم، میزبان ہے اور اُس نے مہمانوں کو خود دعوت دی ہے۔

۲۔ اس دعوت میں، شب قدر، نزول قرآن، فرشتوں کا نزول، دعا کی قبولی، روح کی پاکیزگی اور جہنم سے دوری جیسی بہترین چیزیں مہمان کے لئے موجود ہیں۔

۳۔ دعوت کا زمانہ ماہِ رمضان ہے، جس کی ابتداء، رحمت، درمیانی حصہ، مغفرت اور آخری حصہ جزا قرار دیا گیا ہے جیسا کہ روایات میں بیان ہوا ہے۔

۴۔ دعوت کی کیفیت، شب قدر میں اس طرح ہے کہ مہمانوں کی سال بھر کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں اور شب قدر میں فرشتوں کے نزول سے زمین کو زینت ملتی ہے۔

۵۔ اس ماہ کی غذا، روحانی غذا ہے، جو معنوی ترقی کے لئے ضروری ہے جسم کی غذا نہیں ہے۔ اس دعوت میں کھانے کا مزا، قرآنی آیات ہیں جس کی ایک آیت کی تلاوت، دوسرے مہینوں میں پورے قرآن کی تلاوت کے برابر ہے۔

اس دعوت میں دنیا کی دعوتوں سے کسی بھی طرح کوئی شباہت نہیں پائی جاتی؛ عالم، غنی، خالق، ہمیشہ باقی رہنے والا، عزیز اور صاحب جلال خداوند عالم کی ذات، جاہل، غریب، فانی، مخلوق اور ذلیل ومحتاج انسانوں کا میزبان ہے۔

کتاب وسائل الشیعہ (۲) میں روزہ دار کے اخلاق کے بارے میں ایک تفصیلی روایت میں بیان ہوا ہے: ''روزہ دار کو جھوٹ، گناہ، جھگڑے، حسد غیبت، حق کی مخالفت، نازیبا باتیں کہنے، دوسروں کی بلاوجہ سرزنش کرنے، غصہ کرنے، طعنہ دینے، ظلم کرنے اور لوگوں کو اذیت دینے، غفلت کرنے، فاسقوں کے یہاں رفت وآمد کرنے، چغلی کرنے اور حرام خوری سے پرہیز کرنا چاہئے اور نماز، صبر وصداقت کو اپنانا چاہئے اور قیامت پر خاص توجہ رکھنی چاہئے''۔

اس دعوت میں حاضر ہونے کی شرط، صرف بھوک و پیاس کو برداشت کرنا

نہیں ہے۔ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے: ''جو شخص آسمانی رہبروں کی اطاعت نہ کرے یا ذاتی اور گھریلو معاملات میں اپنی زوجہ سے بدسلوکی اور سختی سے پیش آئے یا اُس کی جائز ضرورتوں کو پورا نہ کرے، یا اس کے ماں باپ اس سے ناراض ہوں، تو اس کا روزہ قبول نہیں ہے، اور اس نے اس دعوت کے شرائط کو پورا نہیں کیا ہے''۔

ماہِ رمضان کی اہمیت، اس ماہ میں قرآن کریم کے نزول کی وجہ سے ہے۔ انسان کی اہمیت بھی اس مقدار میں ہوسکتی ہے جس قدر قرآن اُس میں راسخ ہوجائے۔

خطبہ شعبانیہ

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور خداوند عالم کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! تمہاری طرف خدا کا مہینہ (رمضان) اپنی برکتوں، رحمتوں اور مغفرتوں کے ساتھ آنے والا ہے، ایسا مہینہ جو بہترین مہینہ، جس کے دن بہترین دن، جس کی راتیں بہترین راتیں اور جس کے لمحات بہترین لمحات ہیں، ایسا مہینہ جس میں تمہیں خدا کی مہمانی کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ تمہاری سانس، تسبیح (الٰہی) کا ثواب رکھتی ہیں اور اس میں تمہارا سوجانا بھی عبادت ہے اس مہینہ میں تمہارے اعمال قبول ہوتے ہیں اور تمہاری دعائیں مستجاب ہوتی ہیں خداوند عالم سے خلوص کے ساتھ دعا کرو کہ تمہیں اس مہینہ کے روزوں اور قرآن کریم کی تلاوت کی کامیابی دے، بدبخت ہے وہ انسان جو اس مہینہ میں

خداوند عالم کی رحمت ومغفرت سے محروم ہوجائے۔

اس کی بھوک و پیاس سے قیامت کی بھوک و پیاس کو یاد کرو اور غریب و مسکین لوگوں کو صدقہ دیا کرو، اپنے بڑوں کا احترام کرو، اپنے بچوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آؤ اور اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحم رکھو، اپنی زبان پر قابو رکھو حرام چیزوں سے پرہیز کرو، یتیموں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ تاکہ دوسرے لوگ تمہارے یتیموں کے ساتھ محبت سے پیش آئیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرو نماز کے بعد اپنے ہاتھوں کو دعا کے لئے بلند کرو کہ یہ بہترین وقت ہے کیونکہ خداوند عالم اس موقع پر اپنے بندوں پر نظر لطف فرماتا ہے اور ان کی دعا اور مناجات پر توجہ کرتا ہے اور اُن کی فریادوں پر لبیک کہتا ہے اور ان کی درخواستوں اور دعاؤں کو مستجاب کرتا ہے۔

اے لوگو! تم اپنے کردار میں بندھے ہوئے ہو، خدا سے استغفار کے ذریعہ خود کو آزاد کرلو، اپنے گناہوں کے بوجھ کو اپنے طولانی سجدوں سے ہلکا کرلو، اور جان لو کہ خداوند عالم نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھائی ہے کہ نمازیوں اور سجدہ کرنے والوں کو عذاب نہیں کرے گا۔

اے لوگو! جو شخص کسی ایک روزہ دار کے لئے افطاری کا انتظام کرے، تو خدا کے نزدیک اس کا ثواب ایک غلام کو آزاد کرنے کا ہے اور اس کے گزشتہ گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! ہم سب لوگ یہ کام (افطاری) نہیں کرسکتے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا سے ڈرو، اگرچہ (افطاری) ایک کھجور یا تھوڑا سا پانی کے ذریعہ ہی کیوں نہ

ہو۔

جو شخص اس مہینہ میں نیک اخلاق کا مظاہرہ کرے گا تو اُسے پُل صراط سے گزرنے کا پروانہ مل جائے گا جبکہ وہاں پر سب کے قدم لڑکھڑاتے ہوں گے۔ جو شخص اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا سلوک کرے، تو خداوند عالم بھی اس کا حساب آسان کردے گا اور جو شخص شرارت سے پرہیز کرے تو خداوند عالم اس پر اپنا غیظ وغضب نہیں کرے گا اور جو شخص کسی یتیم کا خیال رکھے گا، خداوند عالم بھی اس شخص کا خیال رکھے گا اور جو شخص صلہ رحم کرے گا تو خداوند عالم بھی اس پر اپنی رحمت کی بارش کرے گا، اور جو شخص اپنے قریبی رشتہ داروں سے تعلقات ختم کرے گا تو خداوند عالم بھی اس سے اپنی رحمت کا رخ موڑ لے گا، جو شخص (اس مہینہ میں) مستحب نمازیں پڑھے گا تو خداوند عالم جہنم سے آزادی کا پروانہ عطا فرمادے گا اور جو شخص اس مہینہ میں کسی واجب کو ادا کرے گا تو اُسے دوسروں مہینوں میں ۷۰ رواجبوں کی ادائیگی کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور جو شخص مجھ پر بہت زیادہ صلوات بھیجے گا تو جس دن میزان میں لوگوں کا پلڑا ہلکا ہوگا، خداوند عالم اس کا پلڑا بھاری کردے گا، جو شخص اس مہینہ میں قرآن کریم کی ایک آیت کی تلاوت کرے گا تو دوسرے مہینوں میں پورے قرآن کی تلاوت کے برابر ثواب ملے گا۔

اے لوگو! اس مہینہ میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، خداوند عالم سے دعا کرو کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے کھول دے اور اس مہینہ میں دوزخ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، تم خداوند عالم سے دعا کرو کہ جہنم کے

دروازوں کو تمہارے لئے نہ کھولے۔ شیاطین زنجیر میں جکڑے ہوتے ہیں خداوند عالم سے دعا کرو کہ وہ شیاطین کو تم پر مسلط نہ کرے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: میں کھڑا ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس مہینہ میں کونسا عمل افضل ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا اباالحسن! (اس مہینہ کا) بہترین عمل تقویٰ و پرہیزگاری اور خداوند عالم کی حرام کردہ چیزوں سے دوری ہے۔ اور یہ کہنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ کرنے لگے، میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ کیوں گریہ فرمارہے ہیں؟

فرمایا: یا علی! میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ اس مہینہ میں نماز کی حالت میں سب سے بڑا شقی شخص آپ کے سر پر ایک ضربت لگائے گا اور آپ کی داڑھی کو آپ کے خون سے رنگین کردے گا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا اس صورت میں میرا دین سالم ہوگا؟

''أ فی سلامة فی دِینی''؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، یا علی! جس نے آپ کو قتل کیا اس نے مجھے قتل کیا اور جس نے آپ کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا جس نے آپ کے لئے غلط الفاظ کہے اُس نے مجھے غلط الفاظ کہے کیونکہ تم میری جان، تمہاری روح میری روح، اور تمہارا وجود میرا وجود ہے''۔(۳)

البتہ ہمیں اس بات کا دھیان رکھنا چاہئے کہ اپنی دعاؤں اور عبادتوں میں بلند آواز کے ذریعہ شور شرابہ، اپنے اہل خانہ اور دیگر پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی

یا دعوتوں اور افطاریوں میں فضول خرچی اور کھانے کی بربادی اور ناانصافی کے ذریعہ خدانخواستہ نہ صرف یہ کہ ہم ثواب سے محروم رہیں بلکہ اپنے گناہوں کے بوجھ میں اضافہ نہ کرلیں۔

❁❁❁❁❁

دوسرا درس

روزہ

روزہ کے آثار و برکتیں

"یا أَیُّهَا الَّذینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیکُمُ الصِّیامُ کَما کُتِبَ عَلَی الَّذینَ مِنْ قَبلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ"۔[1]

''صاحبانِ ایمان تمہارے اوپر روزے اسی طرح لکھ دیئے گئے ہیں جس طرح تمہارے پہلے والوں پر لکھے گئے تھے شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ''۔

تقوی کے معنی، گناہوں سے دوری کے ہیں۔ اور زیادہ تر گناہ، غضب اور شہوت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اور روزہ ان دونوں خواہشوں کی تیزی کو روک دیتا ہے۔ لہٰذا (روزہ) برائیوں میں کمی اور تقوی میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ (۴)

روزہ، خداوند عالم کی واحد پوشیدہ عبادت ہے۔ نماز، حج، جہاد، زکوٰۃ اور خمس کو سبھی لوگ دیکھتے ہیں، لیکن روزہ دیکھنے والی چیز نہیں ہے۔ روزہ، انسان کے

---

[1] ۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۸۳

ارادہ کو مستحکم بناتا ہے۔ جو شخص ایک مہینہ تک کھانے پینے کی چیزوں اور جنسی خواہشات سے دور رہتا ہے تو وہ دوسرے کے مال اور ناموس (عزت) سے بھی کنارہ کشی کرسکتا ہے۔ روزہ، محبت و پیار میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ جو شخص ایک مہینہ تک بھوک و پیاس کا مزہ چھکتا ہے وہ بھوکے پیاسے غریبوں کے درد کو بھی اچھی طرح محسوس کرسکتا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ، آدھا صبر ہے'' (۵)

عام لوگوں کے روزہ میں کھانے پینے کی چیزوں اور جنسی خواہشات سے پرہیز ہوتا ہے، لیکن خاص لوگوں کے روزہ میں، روزہ باطل کردینے والی چیزوں سے پرہیز کے علاوہ، گناہوں سے دوری بھی ضروری ہوتی ہے اور خاص الخاص افراد کے روزوں میں، روزہ باطل کردینے والی چیزوں اور گناہوں سے پرہیز کے علاوہ، ان کا دل بھی غیر خدا سے خالی ہوتا ہے۔(۶) روزہ انسان کو اُن فرشتوں جیسا (پاک) بنادیتا ہے جو کھانے پینے اور جنسی خواہشات سے پاک ہوتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ماہِ رمضان میں اللہ کی خشنودی کے لئے روزہ رکھے تو اُس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں بھی بیان ہوا ہے کہ خداوند عالم نے فرمایا: ''**الصُوم لی او أنا أجزی به**'' (۷) یعنی روزے میرے لئے ہیں اور میں ہی اس کی جزا دینے والا ہوں۔

روزہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ بہت سی عبادتوں کی جزا، روزہ کی جزا کی

طرح قرار دی گئی ہے۔ اگرچہ روزہ گزشتہ امتوں پر بھی واجب تھا، لیکن ماہِ رمضان کا روزہ انبیاء علیہم السلام سے مخصوص تھا اور اسلامی امت میں روزہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔(۸)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہر چیز کے لئے زکوٰۃ ہوتی ہے اور بدن کی زکوٰۃ، روزہ ہے''۔(۹)

روزہ رکھنے کے آداب وشرائط

''أَیَّاماً مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ کانَ مِنْکُمْ مَرِیضاً أَوْ عَلی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَیَّامٍ أُخَرَ وَ عَلَی الَّذِینَ یُطِیقُونَهُ فِدْیَةٌ طَعامُ مِسْکِینٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْراً فَهُوَ خَیْرٌ لَهُ وَ أَنْ تَصُومُوا خَیْرٌ لَکُمْ إِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُونَ''۔[۱]

''یہ روزے صرف چند دن کے ہیں لیکن اس کے بعد بھی کوئی شخص مریض ہے یا سفر میں ہے تو اتنے ہی دن دوسرے زمانے میں رکھ لے گا اور جو لوگ صرف شدت اور مشقت کی بناء پر روزے نہیں رکھ سکتے ہیں (جیسے بیمار، بوڑھے اور بوڑھی عورتیں) وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں اور اگر اپنی طرف سے زیادہ نیکی کر دیں (یعنی واجب مقدار سے زیادہ دیدیں) تو اور بہتر ہے لیکن روزہ رکھنا بہرحال تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم صاحبانِ علم وخبر ہو'' (اور تم معذور لوگوں کے روزہ نہ رکھنے پر رشک نہیں کرو گے۔)

اسلام نے ہر انسان اور اس کی ہر حالت کے لئے اسی کے لحاظ سے قانون بنایا ہے، اس آیت میں مسافروں، بیماروں اور بوڑھے لوگوں کا حکم بیان ہوا ہے۔ اگر انسان ان حالات میں روزہ نہیں رکھ سکتا تو پھر دوسرے دنوں میں

---

[۱]۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۸۴

ان کی قضا رکھے تا کہ روزہ کے فوائد سے بہرہ مند ہو سکے۔

خداوند عالم کے حکم کے سامنے تسلیم ہونے کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر اُس نے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے تو روزہ رکھیں اور اگر اس نے روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا ہے تو انسان روزہ نہ رکھے۔ تفسیر مجمع البیان میں بیان ہوا ہے: بعض اصحاب رسول، سفر کی حالت میں بھی روزہ رکھتے تھے، اور وہ اپنا روزہ توڑنے پر مائل نہیں ہوتے تھے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو گناہگار قرار دیا۔ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی شخص سفر میں روزہ رکھے تو میں اُس نمازِ جنازہ نہیں پڑھوں گا۔

بہرحال اگر کوئی مسافر یا بیمار رکھے تو اُس کا روزہ باطل ہے اور اُسے اس کی قضا رکھنا ہوگی۔ (۱۰) حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے یا اپنے شکم میں موجود بچے کے سلسلہ میں نقصان کا احساس کرے تو اُسے روزہ نہیں رکھنا چاہئے اور یہ خداوند عالم کے لطف وکرم اور اس کی محبت کی نشانی ہے۔ (۱۱)

افطاری

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص اپنی حلال روزی سے، کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو فرشتے ہر وقت اور جناب جبرئیل شب قدر میں اس پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ (۱۲)

افطاری دینا ایک عبادت ہے لیکن افطاری دینے میں خلوص اور رضائے الٰہی کی نیت شرط ہے۔ ''اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ'' (۱۳)

افطاری مومنین کے لئے ایسا اطعام ہے جو حضرت امام صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق نماز شب کی طرح نجات بخش اور سعادت بخش ہے۔
"المُنجِیاتُ إطْعَامُ الطَّعَامِ"۔(۱۴)

افطاری دینا، ایک طرح سے مومنین کا اکرام واحترام اور اُن کے دلوں کو خوش کرنا ہے۔

افطاری، دلوں کو ایک دوسرے سے نزدیک کرنے، صلہ رحم کرنے اور نفاق ودشمنی کو دور کرنے والی ہے۔

افطاری، اپنی اور اپنے اہل وعیال کی بخشش اور والدین کے ساتھ نیکی و احسان کا سبب ہے۔

افطاری، ہدایت وارشاد کا ذریعہ ہے۔

لیکن افطاری کا مقصد، دوسرں پر فخر ومباہات کرنا نہ ہو۔

ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی افطاری میں صرف مالداروں اور عہدہ داروں کو بلائیں۔

ایسا نہ ہو کہ افطاری کے دسترخوان پر گناہ کریں، دوسروں کو ذلیل کریں اور غیبت اور بغاوت کی باتیں کریں۔

ایسا نہ ہو کہ مہمانوں کی بے احترامی کریں اور ان کے ساتھ بے ادبی سے پیش آئیں یا انھیں ذلیل ورسوا کریں۔

ایسا نہ ہو کہ افطاری میں بہت زیادہ فضول خرچی، دیکھا دیکھی اور حسد سے کام لیا جائے۔

ایسا نہ ہو کہ ہم افطاری کے لئے اپنے اہل وعیال یا دوسروں سے زبردستی کام لیں اور انھیں تکلیف پہنچائیں۔

ایک روایت میں منقول ہے: ''جو شخص کسی روزہ دار کو افطاری کرائے تو اُسے روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا''۔

❁❁❁❁❁

تیسرا درس

قرآن میں تدبّر اور غور و فکر

قرآن پر بے توجہی کی شکایت

''وَ قالَ الرَّسُولُ یا رَبِّ إِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوراً''۔[1]

''اور اس (قیامت کے) دن رسول شکایت کریں گے کہ پروردگارا! میری اس قوم نے اس قرآن کو بھی نظر انداز کر دیا ہے''۔

''ہجر''، عمل کے ساتھ، بدن، زبان اور دل سے جدائی کو کہتے ہیں۔ لہٰذا انسان اور آسمانی کتاب (قرآن مجید) کے درمیان ہمیشہ اور ہر پہلو میں رابطہ ہونا چاہئے، کیونکہ لفظ ''ہجر'' ایسے مقامات پر استعمال ہوتا ہے کہ جہاں پر انسان اور کسی چیز کے درمیان رابطہ نہ ہو۔ لہٰذا ہمیں ہر ممکن کوشش کرنا چاہئے تا کہ قرآن کریم کو مہجوریت (نظر اندازی) سے نکالا جائے اور اُسے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اپنا علمی اور عملی مرکز قرار دیا جائے تا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے راضی و

---

[1]۔ سورہ فرقان، آیت ۳۰

خشنود رہیں۔

قرآن کریم کا نہ پڑھنا، یعنی قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں کو قرآن پر فضیلت دینا، قرآن کو مرکز نہ ماننا، اس میں تدبّر اور غور وفکر نہ کرنا، دوسروں کو قرآن کریم کی تعلیم نہ دینا، قرآن پر عمل نہ کرنا، قرآن کو مہجور کرنا (یعنی نظر انداز کرنا) ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرے؛ لیکن اُسے چھوڑ دے، اس کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھے اور اس کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرے تو ایسا شخص بھی قرآن کو مہجور کرنے والا ہے۔

یہ آیہ شریفہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر شکایت کو بیان کر رہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ ''رحمۃ للعالمین'' ہیں نفرین ولعنت نہیں فرماتے، لیکن قیامت کے دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکایت کریں گے۔ اس بنا پر قرآن کریم کی مہجوریت (نظر اندازی)، پیغمبر اکرم کی زبان پر شکایت اور ہماری ذمہ داری بالکل واضح ہے۔ قرآن کریم کی آیات کی زبانی تلاوت کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کو مہجوریت سے نکالنا ضروری ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''نماز میں قرآن کی تلاوت کے ذریعہ قرآن کو مہجوریت سے نکالنا ہے''۔

روایات میں بیان ہوا ہے: ''ہر روز قرآن مجید کی پچاس آیات کی تلاوت کیا کرو اور تمہارا مقصد سورہ کے آخر تک پہنچنا نہ ہو، بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو اور اپنے دل کو قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ ہلا کرو اور جب رات کی تاریکی کی طرح تم پر فتنے فساد حملہ ور ہوں تو قرآن کریم کی پناہ حاصل کرو۔ (۱۵)

ہم یہاں پر قرآن کریم کی مہجوریت کے سلسلہ میں بعض بزرگوں کا قول نقل کرتے ہیں:

الف) ملاصدرؒ سورہ واقعہ کی تفسیر کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں: ہم نے حکماء کی کتابوں کا بہت مطالعہ کیا یہاں تک کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ ہم بھی کچھ ہیں؛ لیکن جب ہمیں کچھ بصیرت ملی تو ہم نے اپنے کو علوم واقعی سے خالی دیکھا، اپنی عمر کے آخری حصہ میں احساس ہوا کہ قرآن کریم میں تدبّر اور محمد وآل محمد علیہم السلام کی احادیث میں غور وفکر کریں، تو ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمارا کام بے بنیاد تھا؛ کیونکہ ہم پوری عمر، نور کی جگہ، اندھیرے میں کھڑے رہے۔ پریشانی کی وجہ سے ہمارے دل وجان میں آگ لگ گئی، یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے ہماری مدد کی اور ہمیں قرآن کریم کے اسرار سے آشنا کیا اور ہم نے قرآن میں غور وفکر اور اس کی تفسیر کرنا شروع کی، ہم نے خانۂ وحی کے دروازہ کو کھٹکھٹایا تو ہمارے لئے دروزے کھل گئے، پردے اٹھ گئے اور ہم نے دیکھا کہ فرشتے ہم سے کہہ رہے تھے: ''سَلامٌ عَلَیکُم طِبتُم فَادْخُلُوهَا خَالِدِینَ'' (۱۶)

ب) فیض کاشانی علیہ الرحمہ تحریر کرتے ہیں: ہم نے بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے، بہت سی تحقیقات انجام دیں، لیکن ہمیں کسی بھی علم سے اپنے درد کی دوا اور اپنی پیاس کے لئے پانی نہ ملا، ہمارے دل میں خوف پیدا ہوا اور ہم نے خدا کی طرف توجہ اور توبہ کی یہاں تک کہ خداوند عالم نے ہمیں قرآن وحدیث میں غور وفکر کے ذریعہ ہدایت دی۔ (۱۷)

ج) امام خمینی علیہ الرحمہ اس بات پر افسوس کیا کرتے تھے کہ ہم نے اپنی

پوری عمر کو قرآن کریم کی راہ میں صرف کیوں نہ کیا!! اور پھر حوزات علمیہ اور یونیورسٹیوں کے افراد کو تاکید کرتے ہیں کہ قرآن اور اُس کے مختلف پہلوؤں کو تمام شعبوں میں اپنا اہم مقصد قرار دیں تاکہ کہیں آخر عمر میں جوانی کے سلسلہ میں افسوس نہ کرنا پڑے۔(۱۸)

قرآن کریم میں تدبّر اور غور وفکر کی ضرورت

''کِتابٌ أَنْزَلْناهُ إِلَیکَ مُبارَکٌ لِیَدَّبَّرُوا آیاتِهِ وَ لِیَتَذَکَّرَ أُولُوا الْأَلْبابِ''۔[۱]

''یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور صاحبانِ عقل، نصیحت حاصل کریں''۔

اس آیہ شریفہ میں قرآن کریم کی تصویر، یوں پیش کی گئی ہے:

الف) اس کی عبارت لکھی ہوئی ہے۔''کتاب''

ب) یہ وحی کے سرچشمہ سے اور اللہ کے بے نہایت علم کی بنیاد پر ہے۔ ''انزلناہ''

ج) جس پر نازل ہوئی ہے وہ معصوم ہے۔''الیک''

د) اس کا مضمون بہت زیادہ برکتوں والا ہے۔''مبارک''

ھ) اس کے نزول کا مقصد، اس میں تدبّر اور غور وفکر ہے۔''لیدبّروا''

و) اس کی تعلیمات اور نکات کے سلسلہ میں علم وآگاہی، معنوی حرکت اور خداوند عالم کے قرب حاصل کرنے کا مقدمہ ہے۔''لیتذکر''

ز) یہ توفیق صاحبان عقل کو نصیب ہوگی۔''أُولُوا الْأَلْبابِ''

۱۔سورہ ص، آیت ۲۹

لہٰذا قرآن کریم میں تدبّر اور غور وفکر کی بہت زیادہ اہمیت ہے، کیونکہ جو شخص قرآن کریم میں تدبر نہ کرے، وہ خدا کی طرف سے ذلیل کردئے جانے کا مستحق ہے۔ {افلا یتدبّرون القرآن ام علی قلوب اقفالہا} چنانچہ قرآن کریم کی نگاہ میں عالم ربّانی وہ ہے جو قرآن کریم کے درس و بحث میں مشغول ہو۔ ''۔۔۔ کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون''۔

حضرت علی علیہ السلام نے قرآنی معنی ومفاہیم کے بے کراں ہونے کے سلسلہ میں فرمایا: ''بحراً لا یُدرک قَعرہ'' قرآن ایک ایسا دریا ہے جس کی گہرائی تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

عام طور پر کسی انسان کی تحریروں اور گفتگو میں طولانی مدت کے اندر کمال اور تضاد پیدا ہوتا ہے۔لیکن قرآن کریم کے ۲۳ سال تک نزول کے زمانہ میں، مختلف حالات جیسے جنگ، صلح، غربت، شہرت، قوت اور ضعف کے حالات رہے، نیز زمانہ کے مختلف نشیب وفراز آئے وہ بھی ایسے شخص کی زبان سے جس نے کسی سے تعلیم حاصل نہ کی ہو، کسی اختلاف اور تناقض کے بغیر پیش کیا ہے۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے اور کسی انسانی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہے۔اسی وجہ سے قرآن کریم خطرہ سے آگاہ کرتا ہے:

أَفَلا یَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَ لَوْ کانَ مِنْ عِنْدِ غَیرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوا فیہِ اخْتِلافاً کَثیراً''۔[1]

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا''۔

---

[1] ۔سورہ نساء، آیت ۸۲

قرآن کریم میں تدبّر اور غور وفکر کا حکم سب کے لئے اور ہر نسل و زمانہ کے لئے ہونے کا راز یہ ہے کہ ہر زمانہ کا دانشور اور عالم کسی نہ کسی نکتہ پر پہنچ سکتا ہے۔

مذکورہ آیت میں تھوڑی غور فکر سے یہ بہترین نکات حاصل ہوتے ہیں، جیسے:

۱۔ قرآن کریم میں غور وفکر نہ کرنے والے کی خداوند عالم کی طرف سے مذمت ہوتی ہے اور اُس پر خدا کی پھٹکار پڑتی ہے۔

۲۔ اسلام اور قرآن کی طرف لگاؤ کا راستہ، تدبّر اور غور وفکر ہے نہ کہ اندھی تقلید۔

۴۔ قرآن کریم نے سبھی کو تدبّر اور غور وفکر کی دعوت دی ہے اور انسان اسی کے ذریعہ اس کے معارف اور تعلیمات کو سمجھ سکتا ہے۔

۵۔ قرآن کریم میں تضاد (اور ٹکراؤ) کا نظریہ، ایک معمولی نظریہ کی بنیاد پر اور غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

۶۔ قرآن کریم کی آیات میں کوئی اختلاف نہ ہونا اور ان میں یکجہتی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ یہ تبدیلی پیدا نہ ہونے والی ذات کی طرف سے ہے۔ کیونکہ خداوند عالم کی طرف سے جو چیز ہوتی ہے وہ حق اور ثابت ہوتی ہے اور اس میں تضاد، پراکندگی اور تناقض (ٹکراؤ) نہیں پایا جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁

چوتھا درس

قرآن کریم کے امتیازات

مبارک کتاب

''إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِی لَیْلَةٍ مُبَارَکَةٍ إِنَّا کُنَّا مُنْذِرِینَ''۔[1]

''ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے ہم بیشک عذاب سے ڈرانے والے تھے''۔

قرآن کریم ہر لحاظ سے مبارک ہے:

الف) نازل کرنے والے کے لحاظ سے: ''تبارک الذی نزل الفرقان''

ب) نزول کے مقام کے لحاظ سے: ''ببکة مبارکاً''

ج) نزول کے زمانہ کے لحاظ سے: ''فی لیلة مبارکة''

د) الفاظ اور معنی کے لحاظ سے: ''کتاب انزلنا الیک مبارک''

---

[1]۔ سورہ دخان، آیت ۳

با کرامت کتاب

''إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ۔ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ''۔[1]

''یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔ اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے''۔

قرآن میں خداوند عالم اور اس سے متعلق چیزوں کی توصیف لفظ ''کریم'' کے ذریعہ بیان ہوئی ہے:

۱۔ خداوند بھی کریم ہے۔ ''ماغرّک بربّک الکریم''۔

۲۔ قرآن بھی کریم ہے۔ ''انه لقرآن کریم''۔

۳۔ رسول خدا بھی کریم ہیں۔ ''و جاءهم رسول کریم''۔

۴۔ نزول وحی کا واسطہ (جبرئیل) بھی کریم ہے۔ ''انه لقول رسول کریم''۔

انسان بھی خداوند عالم کی سب سے افضل مخلوق کے عنوان سے با کرامت ہے۔ ''ولقد کرّمنا بنی آدم''۔

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۱۵۲ / میں اہل بیت علیہم السلام کو ''کرائم القرآن'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جی ہاں قرآن کریم، کرامت کی کنجی اور انسان و معاشرہ کی عزت کا سبب ہے۔ اس کی طرف نگاہ

---

[1] ۔ سورہ دخان، آیت ۷۷ تا ۸۰

ڈالنا، اس کی تلاوت کرنا، اسے حفظ کرنا، اس میں تدبّر اور غور وفکر کرنا اور اس سے نصیحت حاصل کرنا، انسان کی ترقی اور کرامت کا سبب بنتا ہے۔ ''انّه لقرآن کریم''۔

خداوند عالم کے اس ہمیشگی معجزہ، یعنی قرآن کریم کے کچھ امتیاز سورہ یونس کی تفسیر کے ذیل میں تفسیر نور میں یوں بیان ہوئے ہیں:

۱۔ بلند تعلیمات کو مختصر سے جملوں میں سمیٹ دینا، جیسے میاں بیوی کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ''هنّ لباس لکم و انتم لباس لهنّ''۔ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ اسی طرح غیر الٰہی طاقتوں کی کمزوری کو مکڑی کے جالے کے مشابہ قرار دینا، یا یہ کہ وہ ایک مچھر کی تخلیق سے بھی عاجز ہیں: ''لن یخلقوا ذباباً'' (یعنی وہ ایک مچھر بھی نہیں پیدا کر سکتے)

۲۔ دلنشین اور موثر کلام: ایسا کلام کہ اگر ایک ہزار مرتبہ بھی پڑھا جائے تو پُرانا نہیں ہوگا، بلکہ ہر مرتبہ ایک نکتہ حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ کلام میں یک جہتی اور تسلسل: قرآن کریم کے الفاظ میں تسلسل اور یکجہتی مخصوص انداز میں پایا جاتا ہے اور اگر عربی تحریروں یا روایات کے درمیان قرآن مجید کی ایک آیت بھی رکھ دی جائے تو وہ بالکل نمایاں نظر آتی ہے۔

۴۔ قرآن کریم کا جامع ہونا: برہان سے لیکر مثالوں تک، دنیا سے لے کر آخرت تک، اور گھریلو مسائل جیسے: حقوق، سیاسی، فوجی، اخلاقی اور تاریخی مسائل پر مشتمل ہے۔

۵۔ حقیقت پر مبنی: اس کے الفاظ و مفاہیم حدس اور گمان پر مبنی نہیں ہیں،

یہاں تک کہ اس کے واقعات بھی حقیقی ہیں۔

۶۔ عالمی اور ہمہ گیر ہونا: ہر شخص اور ہر سطح کا انسان، قرآن کریم سے بہرہ مند ہوسکتا ہے اور قرآن کریم کسی فن و ہنر کی مخصوص کتاب نہیں ہے۔

۷۔ ہمیشگی اور جاویدانہ: انسانی عمر اور علوم کو جتنا زمانہ بھی گزر جائے، قرآن کریم کے اسرار مزید کشف ہوتے رہیں گے۔

۸۔ بہت زیادہ ترقی: سب سے زیادہ دشمن ہونے اور بہت سے حملوں کے باوجود، اس نے اپنے زمانہ میں بہت زیادہ ترقی کی ہے۔

۹۔ سب کے سامنے معجزہ: یہ معجزہ سب کے سامنے اور لفظ اور جملوں کی قسم سے سبھی کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

۱۰۔ کتاب بھی موعظہ ہے اور قانون و دستور کی کتاب بھی ہے۔

۱۱۔ یہ کسی کے سامنے درس نہ پڑھنے والے اور جاہل علاقہ میں رہنے والے شخص کے ذریعہ ہے۔

۱۲۔ اس میں کوئی ایک حرف تک اضافہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی کم کیا گیا ہے، اور یہ تحریف سے پاک و منزہ ہے۔

۱۳۔ رحمت و شفا کا باعث ہے۔ اس دوا کا طبیب ہمیں بھی جانتا ہے اور وہ ہمیں چاہتا بھی ہے اور اس کے نسخہ کا نتیجہ ہمیشگی ہے اور اس کی کوئی نظیر بھی نہیں ہے۔

قرآن کا معجزہ

"أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

مِنْ دُونِ اللّٰہِ إِنْ کُنْتُمْ صادِقِینَ''۔[۱]

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن بندے نے گڑھ لیا ہے تو کہہ دیجئے کہ اس کے جیسے دس سورہ گڑھ کر تم بھی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے بلالو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو''۔

قرآن کریم، صرف فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ نہیں ہے، بلکہ تعلیمات، موعظہ، دلائل، غیب کی خبریں اور قوانین کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے، کیونکہ ''وَ ادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ'' کے ذریعہ تمام لوگوں کو دعوت دی گئی ہے، صرف عربوں کو نہیں کہ جو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو سمجھتے ہیں، چنانچہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

''قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلی أَنْ یَأْتُوا بِمِثْلِ ھذَا الْقُرْآنِ لا یَأْتُونَ بِمِثْلِہِ وَ لَوْ کانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیراً''۔[۲]

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو بھی نہیں لا سکتے، چاہے سب ایک دوسرے کے مددگار اور پشت پناہ ہی کیوں نہ ہو جائیں''۔

قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے پہلو بہت زیادہ ہیں: قرائت میں الفاظ کی شیرینی اور مٹھاس، ۲۳ سال میں نازل ہونے والی کتاب میں مکمل یکجہتی، ایسے علوم کا بیان جو اس زمانہ میں نہیں پائے جاتے تھے، بعد میں آنے والے زمانہ کے لئے پیشین گوئیاں، ایسی قوموں کی تاریخ کا بیان جن کا کوئی نام و نشان

۱۔ سورہ ہود، آیت ۱۳

۲۔ سورہ اسراء، آیت ۸۸

تک باقی نہیں، انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں میں جامع اور مکمل قانون، ہر طرح کی تحریف وتبدیلی سے پاک، کبھی پرانا نہ ہونا اور مسلسل آنے والی صدیوں میں نہیں بھلایا جانے والا۔

اس قدر رعایت، تحریک وترغیب کے بعد بھی انسان عاجز ہے۔ قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا: ''پورے قرآن کی مثل لے آؤ، {ان ی أتوا بمثل ہذا القرآن}، دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''قرآن کے دس سورتوں کی مثل لے آؤ، اس کے بعد ایک مقام پر اس سے بھی زیادہ چھوٹ دیدی گئی کہ قرآن کی ایک ہی سورہ کا مثل لے آؤ، ''ان یأتوا بسورۃ مثلہ''، ان تمام رعایتوں کے علاوہ ترغیب بھی دلائی گئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے: اگر تمام جنّ اور انس مل کر ایک دوسرے کی مدد کرو تو بھی اس کا مثل نہیں لا سکتے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''اگر پوری زمین پر رہنے والے افکار بھی آپس میں مل جائیں تو بھی ہرگز قرآن کریم کی مثل نہیں لا سکتے''۔

تاریخ نے بھی ثابت کیا ہے کہ اسلام کے خلاف جنگ کرنے والے دشمنوں نے بہت سی سازشیں کی لیکن پھر بھی قرآن کا جواب نہ لا سکے یہاں تک کہ ایک سورہ کی مثل بھی نہ لا سکے، کیا یہ معجزہ نہیں ہے؟!!

قرآنی واقعات کے امتیازات

''نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ''۔[1]

---

[1] ۔سورہ یوسف، آیت ۳

''پیغمبر ہم آپ کے سامنے ایک بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں جس کی وحی اس قرآن کے ذریعہ آپ کی طرف کی گئی ہے، اگرچہ اس سے پہلے آپ اس کی طرف سے بے خبر لوگوں میں تھے''۔

دوسرے واقعات کی نسبت قرآنی واقعات کے امتیازات:

۱۔ واقعہ بیان کرنے والا خداوند عالم ہے۔''نحن نقص''۔

۲۔ با مقصد ہے،''نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک''۔

۳۔ حق ہے، صرف خیال نہیں ہے۔''نحن نقص علیک نبأهم بالحق''۔

۴۔ علم کی بنیاد پر ہے، گمان کی بنیاد پر نہیں۔''فلنقصن علیهم بعلم''۔

۵۔ تفکر اور غور وفکر کا باعث ہے، بے حسی کا باعث نہیں۔''فاقصص القصص لعلّهم یتفکرون''۔

۶۔ عبرت کا ذریعہ ہے، صرف تفریح کے لئے نہیں۔''لقد کان فی قصصهم عبرة''۔

قرآن کے قاریوں کے اقسام

''وَإِذا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ''۔[1]

''اور جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو خاموش ہو کر غور سے سنو کہ شاید تم پر رحمت نازل ہو جائے''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: قرآن کے قاریوں کی تین

---

[1] ۔سورہ اعراف، آیت ۲۰۴

قسمیں ہیں:

ایک گروہ، قرآن کریم کو اپنی معاش زندگی کا ذریعہ قرار دیتا ہے اور وہ لوگوں پر مسلط ہوجاتا ہے، ایک گروہ، قرآن کریم کی اپنی زبان سے تلاوت تو کرتا ہے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا۔ ایک گروہ قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اسے اپنے درد کی دوا سمجھتا ہے اور وہ ہمیشہ قرآن سے مانوس رہتا ہے، خداوند عالم نے اس گروہ کے ذریعہ عذاب کو دور کیا ہے اور ان کے ذریعہ باران رحمت نازل کرتا ہے، (لیکن) ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔(۱۹)

پانچواں درس

دعا

دعا کی اہمیت

''قُلْ مایَعْبَؤُا بِکُمْ رَبّی لَوْ لا دُعاؤُکُمْ فَقَدْ کَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَکُونُ لِزاماً''۔[1]

''پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو پروردگار تمہاری پروا بھی نہ کرتا، تم نے اس کے رسول کی تکذیب کی ہے تو عنقریب اس کا عذاب بھی برداشت کرنا پڑے گا''۔

لفظ ''عَبأ'' کے معنی وزن اور سنگینی کے ہیں اور ''ما یعبأ بکم ربّی'' یعنی خداوند عالم تمہارے لئے وزن اور اہمیت کا قائل نہیں ہے، مگر تمہاری دعا اور عبادت کی بنیاد پر۔

البتہ لفظ ''دعائکم'' کے دو معنی بیان ہوئے ہیں: ایک گریہ وتضرع، اور دوسرے دعا کرنا، جن کی بنا پر خداوند عالم عنایت اور توجہ فرماتا ہے۔ جیسا کہ ایک

---

[1]۔ سورہ فرقان، آیت ۷۷

حدیث میں بیان ہوا ہے: ''جو شخص دعا کرنے والا ہو وہ ہلاک نہیں ہوتا'' (۲۰) لہٰذا جو گروہ دعا کرنے والا نہیں ہے ان کی شکایت ہے کہ تم نے حق کو جھٹلایا اور دعا کی جگہ تم بتوں، طاغوتوں اور ہوا ہوس کی طرف مائل ہو گئے، لہٰذا تمہیں سزا دی جائے گا۔ اور ایک معنی خدا کی طرف سے لوگوں کو دعوت دینا ہے؛ کیونکہ سنت الٰہی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو حق کی طرف دعوت دیتا ہے اور ان پر حجت تمام کرتا ہے۔ جو چیز انسان کو افضل اور باعظمت بناتی ہے، یہی دعوتِ الٰہی پر لبیک کہنا ہے۔ لیکن تم نے الٰہی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے اور اسے جھٹلایا، لہٰذا تم سے خیر کی امید نہیں ہے اور تم اپنے اعمال کی سزا پاؤ گے۔

خداوند عالم ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے: ''**و ما خلقت الجنّ و الانس الّا لیعبدون**'' (۲۱) ہم نے جن و انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے: اگر انسان کی دعا نہ ہوتی تو اُس کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اس بنا پر دعا، عبادت کی روح اور اس کی اصل ہے۔

جی ہاں اگرچہ خداوند عالم ہر چیز کو جانتا ہے، لیکن دعا کرنا ہماری ذمہ داری ہے، دعا کہیں پر بھی اور کسی بھی موقع ہو، مفید ہے۔ چونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: میں قریب ہوں، ''**انی قریب**''، اگر خدا کا قہر و غضب ہم پر نازل ہوتا ہے تو خدا سے ہماری دوری کی بنا پر اور گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دعا کرنے والوں پر خداوند عالم کی خاص توجہ

''**وَإِذا سَأَلَکَ عِبادی عَنّی فَإِنّی قَریبٌ أُجیبُ دَعْوَةَ الدّاعِ إِذا دَعانِ**

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَ لْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ"۔[1]

''اور اے پیغمبر! اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں۔ پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے لہٰذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان واعتماد رکھیں کہ شاید اس طرح راہِ راست پر آجائیں''۔

دعا کرنے والوں سے خداوند عالم اتنی محبت کرتا ہے کہ اس آیت میں سات مرتبہ خداوند عالم نے اپنے لطف وکرم کی نسبت اپنی طرف دی ہے: اگر میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں، تو ان سے کہہ دیجئے کہ: میں ان سے نزدیک ہوں، اور جب وہ مجھے پکاریں، تو میں خود اُن کی دعا مستجاب کروں گا، لہٰذا مجھ پر ایمان لائیں اور میری دعوت پر لبیک کہیں۔ اور یہ محبت کا سلوک اس وقت ہے کہ انسان خداوند عالم سے مناجات کرے۔

سوال: کبھی کبھی ہماری دعا کیوں مستجاب نہیں ہوتیں؟

جواب: تفسیر المیزان میں بیان ہوا ہے کہ خداوند عالم نے اس آیت میں فرمایا: ''أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذا دَعانِ'' میں خود دعا کرنے والوں کی دعا مستجاب کروں گا، فقط میرے بندے مجھ سے دعا کریں اور مکمل اخلاص کے ساتھ مجھ سے طلب خیر کریں۔ لہٰذا اگر دعا قبول نہ ہو تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ہم نے خداوند عالم سے خیر نہیں مانگا ہے اور حقیقت میں وہ ہمارے لئے شرّ ہے یا وہ واقعاً خیر ہے، لیکن ہم نے خداوند عالم سے خلوص اور صدق دل سے درخواست نہیں کی

---

[1] ۔سورہ بقرہ، آیت ۱۸۶

ہے اور ہمیشہ دوسروں سے مدد طلب کی ہے۔ یا یہ کہ ہماری دعا ہماری مصلحت میں نہیں ہے۔ اس صورت میں روایات کے بیان کے مطابق اس دعا کی جگہ ہم سے بلائیں دور ہوتی ہیں یا ہمارے آئندہ کے لئے یا ہماری نسل کے لئے ذخیرہ ہوتی ہیں یا آخرت میں اس کی تلافی ہوگی۔

ہم اصول کافی میں پڑھتے ہیں: جو شخص حرام غذا کھاتا ہے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتا ہے یا غفلت و بے توجہی کے ساتھ دعا کرتا ہے، تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

دعا کے معنی کاروبار کو ترک کرنا نہیں ہے، بلکہ خداوند عالم کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ہمیشہ سعی و کوشش میں رہنا چاہئے۔ لہٰذا ہم حدیث میں پڑھتے ہیں: ''بے کار انسان کی دعا قبول نہیں ہوتی''۔

دعا کی آیت کا روزہ کی آیات کے درمیان واقع ہونا شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعا، ماہِ خدا سے تعلق رکھتی ہے۔

سوال: جب خداوند عالم کے کام، قانون کے تحت اور ثابت اصول اور اسباب کی بنا پر ہوتے ہیں تو پھر دعا کا کیا کردار ہے؟

جواب: جیسا کہ سفر میں انسان کی نماز کا حکم، وطن میں نماز کے حکم کے علاوہ ہے، دعا کرنے والا انسان، خداوند عالم سے غافل شخص سے بالکل الگ ہے اور خداوند عالم کی سنت، دعا کرنے والے کی نسبت خاص لطف و کرم کرنا ہے، جو کہ دعا نہ کرنے والے کے لئے نہیں ہے۔ جی ہاں خداوند عالم سے دعا اور مناجات کرنے سے، خداوند عالم کے لطف و کرم حاصل کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا

ہے۔جس طرح سے اولیائے الٰہی سے توسل اور ان کی زیارت سے انسان کے حالات بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی بچہ اپنے باپ کے ساتھ کسی مہمانی میں جائے، تو پھر اس سے لوگ بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، اکیلے جانے والے کی نسبت۔زیارت اور توسل، حالات کو بدل دیتے ہیں، خداوند عالم کی قطعی سنتوں کو درہم و برہم کرنے والے نہیں ہیں۔

دعا کے آداب

''وَ قالَ رَبُّکُمُ ادْعُونی أَسْتَجِبْ لَکُمْ إِنَّ الَّذینَ یَسْتَکْبِرُونَ عَنْ عِبادَتی سَیَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ داخِرینَ''۔[1]

''اور تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور یقینا جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلّت کے ساتھ جہنّم میں داخل ہوں گے''۔

دعا کے لئے کچھ آداب و شرائط ہیں، جیسے:

۱۔ دعا، ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ہو۔''**یستجیب الذین آمنوا و عملوا الصحالحات**''۔

۲۔اخلاص کے ساتھ ہو۔''**فادعوا اللّٰہ مخلصین له الدین**''۔

۳۔تضرع کے ساتھ اور پوشیدہ طریقہ سے ہو۔''**ادعوا ربّکم تضرعاً و خفیة**''۔

۴۔خوف و امید کے ساتھ ہو۔''**وادعوه خوفاً و طمعاً**''۔

---

[1] ۔سورہ غافر، آیت ۶۰

۵۔ مخصوص اوقات میں ہو۔ ''یدعون ربّھم بالغداۃ و العشی''۔

۶۔ دعا کرنے والے کو اسمائے الٰہی سے فیض اٹھانا چاہئے۔ ''و للہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا''۔

البتہ اس بات پر توجہ رہے کہ بعض کام بھی دعا کی قبولی میں مانع ہوتے ہیں، جیسے گناہ، ظلم اور ایسے شخص کو معاف نہ کرنا جو ہم سے معافی کا طلبگار ہو۔ یا کبھی کبھی ہماری دعا کی قبولی، نظامِ خلقت کو درہم و برہم کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر جغرافیا کا امتحان دینے والے بچہ کا اس سوال کا جواب یہ تھا کہ دریا کی سطح اوپر ہوتی ہے یا پہاڑوں کی؟ تو اس نے چونکہ غلط لکھ دیا تھا کہ دریا کی سطح اونچی ہوتی ہے! تو اس نے خداوند عالم سے دعا کی کہ خدایا ان دونوں کی جگہ بدل دے، (یعنی دریا کی سطح کو اوپر کر دے اور پہاڑ کی سطح کو نیچے کر دے) تا کہ اُسے صحیح نمبر مل سکیں! بہر حال خداوند عالم جیسا کہ قادر ہے اسی طرح حکیم بھی ہے۔

دعا کی قبولی دونوں طرف سے ہے، یعنی اگر لوگ خداوند عالم سے استجابت کی امید رکھتے ہیں تو خداوند عالم کی دعوت کو بھی قبول کریں۔ ''استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم'' (۲۲) جب بھی خدا و رسول اپنے حیات بخش مکتب کی طرف بلائیں تو مثبت جواب دو تا کہ خداوند عالم بھی تمہاری دعا کو مستجاب کرے۔

خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ

''وَ لِلّٰہِ الْأَسْماءُ الْحُسْنی فَادْعُوہُ بِھا''۔[1]

---

[1] ۔ سورہ اعراف، آیت ۱۸۰

''اور اللہ ہی کے لئے بہترین نام ہیں لہٰذا اسے ان ہی کے ذریعہ پکارو۔۔۔''۔

اگرچہ خداوندعالم کے تمام نام اور صفات بہترین ہیں اور خدا ایسے تمام کمالات کا مالک ہے جنھیں شمار نہیں کیا جاسکتا، لیکن روایات میں خداوندعالم کے ۹۹/ ناموں پر تاکید ہوئی ہے اور جو شخص خداوندعالم کو ان ناموں کے ذریعہ پکارے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور وہ ۹۹/ اسمائے حسنیٰ یہ ہیں:

''اللّٰہ، الٰہ، الواحد، الاحد، الصّمد، الاوّل، الآخر، السمیع البصیر، القدیر، القاھر، العلی، الاعلیٰ، الباقی، البدیع، البارّ، الاکرم الظاھر، الباطن، الحیُّ، الحکیم، العلیم، الحلیم، الحفیظ، الحقّ الحسیب، الحمید، الحفیّ، الربّ، الرحمن، الرحیم، الذّارء، الرازق الرقیب، الرؤوف، الرائی، السلام، المومن، المھیمن، العزیز، الجبّار المتکبر، السید، السُبّوح، الشھید، الصادق، الصانع، الطاھر، العدل العفو، الغفور، الغنی، الغیاث، الفاطر، الفرد، الفتاح، الفالق، القدیم الملک، القدّوس، القویّ، القریب، القیوم، القابض، الباسط، قاضی الحاجات، المجید، المولی، المنّان، المحیط، المبین، المقیت المصوّر، الکریم، الکبیر، الکافی، کاشف الضرّ، الوتر، النُّور، الوھّاب الناصر، الواسع، الودود، الھادی، الوفیّ، الوکیل، الوارث، البرّ الباعث التوّاب، الجلیل، الجواد، الخبیر، الخالق، خیر الناصرین، الدیّان الشکور، العظیم، اللطیف، الشافی''(۲۳)

قرآن کریم میں خداوندعالم کے ۱۴۵/ نام تک بیان ہوئے ہیں اور روایات میں ۹۹/ کا عدد یا تو اس وجہ سے ہے کہ بعض نام دوسرے ناموں میں ادغام ہوجاتے ہیں، یا مراد یہ ہے کہ یہ نام قرآن کریم میں بھی بیان ہوئے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ صرف یہی ہیں۔ دعائے جوشن کبیر جیسی دعاؤں میں خداوندعالم

کے دیگر نام بھی بیان ہوئے ہیں۔ البتہ خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ کے بہت سی برکتیں اور ان کے خاص آثار پائے جاتے ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ہم اہل بیت، خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ ہیں کہ ہماری معرفت کے بغیر کسی کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے۔ **''نحن واللّٰہ الاسماء الحسنیٰ الذی لایقبل اللّٰہ من احد عملاً الّا بمعرفتنا''۔(۲۴)**

اسی طرح فرمایا: جب بھی تمہارے اوپر کوئی مصیبت اور پریشانی آئے تو ہمارے وسیلہ سے خداوند عالم کی مدد طلب کرو اور اس کے بعد فرمایا: **''واللّٰہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا''۔(۲۵)**

امام علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: **''انّ الخالق لایوصف الّا بما وصف بہ نفسہ''**، یعنی خداوند عالم کی توصیف صرف انھیں چیزوں کے ذریعہ ہوسکتی ہے جن کے ذریعہ اس نے اپنی توصیف کی ہے۔ یعنی اپنی طرف سے خداوند عالم کا نام نہیں رکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر اُسے عفیف اور شجاع جیسے ناموں سے نہیں پکارا جاسکتا ہے۔(۲۶)

❁❁❁❁❁

چھٹا درس

نماز کی اہمیت

جناب لقمان کی نصیحت

''یا بُنَیَّ أَقِمِ الصَّلاۃَ وَ أْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اصْبِرْ عَلی ما أَصابَکَ إِنَّ ذلِکَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ''۔[1]

''بیٹا نماز قائم کرو، نیکیوں کا حکم دو، برائیوں سے منع کرو اور اس راہ میں جو مصیبت پڑے اس پر صبر کرو، بے شک کہ یہ بہت بڑی ہمّت کا کام ہے''۔

آیہ شریفہ میں نماز اور امر بالمعروف کے سلسلہ میں حضرت لقمان کی وہ نصیحت جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی، چنانچہ ہم اس کی مناسبت سے ان دو اہم واجبات کے سلسلہ میں مختصر وضاحت کرتے ہیں:

نماز، خداوند عالم سے انسان کے رابطہ کا سب سے زیادہ آسان، گہرا اور خوبصورت طریقہ ہے جو کہ تمام آسمانی ادیان میں پایا جاتا ہے۔

نماز، وہ اکیلی عبادت ہے جس سے پہلے دلنشیں آواز رکھنے والا شخص گلدستہ

---

[1]۔سورہ لقمان، آیت ۱۷

اذان پر جا کر بلند آواز میں ''**حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح و حی علی خیر العمل**'' کا نعرہ بلند کرے۔ تا کہ اپنی اذان کے ذریعہ خاموشی کو توڑ ڈالے اور اسلام کے حقیقی افکار کے ایک دورہ کا اعلان اور غافلوں کو بیدار کرے۔

نماز اتنی زیادہ اہم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بے آب ودانہ صحرائے مکہ میں اپنے اہل وعیال کو چھوڑنے کا مقصد نماز کو قائم کرنا قرار دیتے ہیں، حج کے اعمال کو نہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشورا، دو رکعت نماز قائم کرنے کے لئے دشمنوں کے تیروں کے سامنے اپنے سینہ کو سپر قرار دیا۔

قرآن کریم نے حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا کہ مسجد الحرام کو نماز گزاروں کے لئے تیار اور پاکیزہ کریں۔ جی ہاں نماز اتنی زیادہ اہم ہے کہ حضرت زکریا، مریم، ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام مسجد اور نماز قائم ہونے والی جگہ کے خدمت گزار تھے۔

نماز کا جلوہ بچہ کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے کہ اس کے کانوں میں اذان واقامت کہی جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی دکھائی دیتا ہے کہ جب قبرستان میں مردہ پر نماز پڑھی جاتی ہے۔

نماز، تمام اعمال کے قبول ہونے کا ذریعہ ہے، چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے گورنر سے فرماتے ہیں: اپنے بہترین وقت کو نماز کے لئے قرار دو اور آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارے دوسرے تمام اعمال بھی نماز ہی کی بنیاد پر قبول ہوتے ہیں۔

نماز، خداوند عالم کی یاد ہے اور خدا کی یاد ہی دلوں کو چین وسکون عطا کرتی ہے۔

نماز کا تذکرہ، اکثر سورتوں میں ہوا ہے چاہے سب سے بڑا سورہ ہو (سورہ بقرہ) یا سب سے چھوٹا سورہ ہو (سورہ کوثر)۔

زمینی حادثات جیسے زلزلہ اور خوفناک ہواؤں کے لئے بھی نماز واجب ہوئی ہے اور آسمانی حادثات کے لئے بھی، جیسے چاند گرہن اور سورج گرہن، کہ ان صورتوں میں نماز آیات واجب ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ بارش کی دعا کے لئے نماز استسقاء بیان ہوئی ہے۔

نماز، انسان کو بہت سی برائیوں سے روکتی ہے۔

نماز میں تمام کمالات پر توجہ اور رغبت دکھائی دیتی ہے، جیسے:

۔ پاکیزگی اور صفائی، مسواک، وضو، غسل اور بدن اور لباس کی پاکیزگی۔

۔ ہم فریاد بلند کرنے کی جرائت اور جسارت اذان سے سیکھتے ہیں۔

۔ ہم میدان عمل میں حاضری کو مسجدوں کے اجتماع سے سیکھتے ہیں۔

۔ عدالت پر توجہ کو عادل، امام جماعت کے انتخاب سے سیکھتے ہیں۔

۔ اقدار اور کمالات پر توجہ کو ان لوگوں سے سیکھتے ہیں جو نماز کی پہلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔

۔ قبلہ میں مستقل سمت کا احساس کرتے ہیں۔ یہودی ایک طرف اور عیسائی دوسری طرف اپنے عبادی رسومات انجام دیتے ہیں اور مسلمانوں کو مستقل ہونا چاہئے، لہٰذا قرآن کریم کے حکم کے مطابق کعبہ، مسلمانوں کا مستقل قبلہ قرار پایا

تا کہ جہت اور سمت میں مستقل رہیں۔

۔دوسروں کے حقوق کی رعایت اس چیز میں دکھائی دیتی ہے کہ نماز کے لباس میں ایک غصبی دھاگہ تک نہ ہو۔

۔سیاست پر توجہ اس چیز میں دیکھتے ہیں کہ ہم روایات میں پڑھتے ہیں: اگر امام معصوم کی ولایت قبول نہ کرتے ہوئے نماز پڑھی جائے تو وہ قبول نہیں ہے۔

۔نظم وضبط پر توجہ کو نماز جماعت کی منظم صفوں سے، شہداء پر توجہ کو خاک شفا کی سجدہ گاہ سے، جگہ کی صفائی پر توجہ کو مسجد اور اہل مسجد کو دئے جانے والے صفائی کے حکم سے سیکھتے ہیں۔

۔ہم خدا پر توجہ، پوری نماز میں، معاد پر توجہ کو ''**مالک یوم الدین**'' میں، راستہ کے انتخاب پر توجہ کو ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' میں، اچھے ساتھیوں کے انتخاب کو ''**صراط الذین انعمت علیھم**'' میں، منحرف اور غضب ہونے لوگوں سے دوری کو ''**غیر المغضوب علیھم و لاالضآلین**'' میں، نبوت اور اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر توجہ کو تشہد میں اور نیک وصالح افراد پر توجہ کو ''**السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین**'' میں دیکھتے ہیں۔

۔صحیح وسالم کھانے پینے پر توجہ اس چیز میں دیکھتے ہیں کہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ اگر کوئی شراب پیتا ہے تو اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہے۔

۔ظاہری طور پر آراستگی کو اس چیز میں دیکھتے ہیں کہ نماز میں بہترین لباس، عطر اور زینت کا دھیان رکھا جائے یہاں تک کہ خواتین اپنی زینت کی چیزیں بھی

نماز میں استعمال کرسکتی ہیں۔

۔میاں بیوی پر توجہ اس چیز میں دیکھتے ہیں کہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان دشمنی یا کینہ ہو اور وہ ایک دوسرے کو اذیت پہنچائیں اور اپنی زبان سے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہیں تو ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی نماز قبول نہیں ہے۔

قرآنی آیات میں ''نماز'' اور ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ایک ساتھ اور ایک دوسرے سے متاثر صورت میں بیان ہوئے ہیں، جیسے:

الف: ''إِنَّ الصَّلاةَ تَنْهى عَنِ الْفَحْشاءِ وَ الْمُنْكَرِ''، نماز ہر برائی اور بدکاری سے روکنے والی ہے۔

ب: ''اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبنَّ السَّيِّئَاتِ''، بے شک نیکیاں (جیسے نماز) برائیوں کو ختم کردیتی ہیں۔

ج) ''اقِمِ الصَّلاةَ وَ أْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' نماز قائم کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔

د: ''الَّذينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقامُوا الصَّلاةَ وَ آتَوُا الزَّكاةَ وَ أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّهِ عاقِبَةُ الْأُمُورِ''، حقیقی مومنین وہ ہیں کہ اگر زمین پر انھیں ہم طاقت دیدیں تو وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

ساتواں درس

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اہمیت

وَ لْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ أُولئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ''۔[1]

''اور تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا حکم دے، برائیوں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات یافتہ ہیں''۔

امر بالمعروف یعنی نیکی کی ہدایت کرنا اور نہی عن المنکر یعنی برائیوں سے روکنا۔ اور ان دونوں اہم چیزوں کو انجام دینے کے لئے کسی عمر کی شرط نہیں ہے، کیونکہ جناب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی: ''**یا بنیّ اقم الصلاۃ و امر بالمعروف**''۔

امر بالمعروف، اپنے مکتب فکر سے عشق، لوگوں سے محبت اور معاشرہ کی سلامتی

---

[1]۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۴

کی خواہش ہے، آزادگفتگو کی نشانی، دینی غیرت، لوگوں میں دوستانہ تعلقات اور بیدار ضمیر اور عمومی نظارت ومیدانِ عمل میں حاضر ہونے کی نشانی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، نیک لوگوں کی ترغیب کا سبب، جاہل لوگوں کو آشنا کرنا، غلط کاموں سے روک تھام پر متوجہ کرنا اور ایک طرح سے اجتماعی نظم و ضبط کو قائم کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ''تم مسلمان بہترین امت ہو، کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو۔ (۲۷)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، عام مصلحتوں کے لئے ضروری ہے۔ (۲۸) چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہم پڑھتے ہیں: جوشخص برائیوں سے نہ روکے، وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو کسی زخمی انسان کو دیکھ کر اُسے ایسے ہی چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ مرجائے۔ (۲۹)

حضرت داوٗد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام جیسے انبیاء ان لوگوں کو لعنت کیا کرتے تھے جو نہی عن المنکر نہیں کرتے تھے۔ (۳۰)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام امر بالمعروف اور عن المنکر کے لئے تھا۔ ''**أُریدأن آمر بالمعروف وانھی عن المنکر**''(۳۱)

گناہوں کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرنا اور ان پر بے توجہی اپنانا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ گناہ کرنا عام سی بات بن جائے اور گناہگاروں میں جرائت پیدا ہوجائے، جس کی بنا پر معاشرہ کے افراد سنگ دل ہوجاتے ہیں، شیطان خوش ہوتا ہے اور ہم پر غضب خدا نازل ہوتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اگر کسی بزم میں آیات الٰہی کی توہین کی جارہی

ہو تو اس جلسہ کو اعتراض کے عنوان سے ترک کر دو، یہاں تک کہ بحث و گفتگو کا موضوع بدل جائے۔

اگر ہم نے کسی نیک کام کی دعوت دی، تو ہم اس کے نیک کام میں شریک ہیں، لیکن اگر کسی نے فساد، برائی اور گناہوں کے سامنے خاموشی اختیار کی تو آہستہ آہستہ برائیاں بڑھتی جائیں گی اور فاسد اور بُرے لوگ معاشرہ پر حاکم بن جائیں گے۔

انسان کو گناہوں پر دل سے ناراض ہونا چاہئے اور زبان سے بھی گناہوں سے روکنا چاہئے اور قانون و طاقت کا سہارا لیتے ہوئے گناہوں میں مانع ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دو الٰہی ذمہ داریاں ہیں۔ اور یہ گمان کرنا کہ دوسروں کے گناہ کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمیں دوسروں کی آزادی نہیں چھیننی چاہئے، میں خود ڈرتا ہوں یا مجھے شرم آتی ہے، ایک پھول سے بہار نہیں آتی، عیسیٰ اپنے دین موسیٰ اپنے دین، اُسے اپنی قبر میں جانا ہے ہمیں اپنی قبر میں، دوسرے لوگ بھی تو ہیں، میں ہی کیوں امر بالمعروف کروں یا کیوں برائیوں سے روکوں؟ اگر میں نے یہ کام کیا تو میری دوستی ختم ہو جائے گی یا اس کام سے میرے خریدار ٹوٹ جائیں گے، ایسے وہم و گمان سے یہ ذمہ داری ہمارے کاندھوں سے ختم نہیں ہوگی۔

آداب و شرائط

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، علم کی بنیاد پر، ہمدردی اور عقلمندی کی بنا پر ہونا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو سکے پوشیدہ طور پر ہو۔ کبھی کبھی ہمیں خود کہنا

چاہئے، لیکن جہاں پر ہماری باتوں کا اثر نہ ہوتا ہو تو ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، ایسے موقع پر دوسروں سے کہلوانا چاہئے، یہاں تک کہ اگر کچھ ہی مدت کے لئے برائیوں سے روک تھام کی جاسکتی ہو تو اس کام کو انجام دینا چاہئے اور اگر مکرر کہنے سے نتیجہ حاصل ہونے کی امید ہو تو بار بار کہنا چاہئے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دو طرح سے انجام دیا جاتا ہے:

۱۔ عام ذمہ داری کے عنوان سے سبھی کو اپنی طاقت وصلاحیت کے لحاظ سے اس کام کو انجام دینا چاہئے۔

۲۔ ایک منظم تنظیم اور گروہ جو اس ذمہ داری کو اپنے عہدہ پر لے اور اپنی پوری طاقت سے اس کام کو انجام دے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ڈرائیور سڑک پر خلاف ورزی کرے، تو دوسرے ڈرائیور ہورن اور لائٹ کے ذریعہ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور ایسی خلاف ورزی کرنے والے پر پولیس بھی سختی سے جرمانہ کرتی ہے۔

امر بالمعروف کرنا، بہترین امت ہونے کی نشانی

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔۔۔"۔[1]

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اس آیہ شریفہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عام مرحلہ کی طرف

---

[1] ۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰

اشارہ ہوا ہے جس میں چند شرائط اور نکات پائے جاتے ہیں، جیسے:

۱۔ بہترین امت ہونا کوئی شعار نہیں ہے، بلکہ ایمان اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ ہی بہترین امت ہے۔ ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ ۔۔۔ تَأْمُرُون۔۔۔''

۲۔ خاموش رہنے والی اور ڈرنے والی امت کے لئے کوئی خیر و برکت نہیں ہے۔ ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ۔۔۔تَأْمُرُون۔۔۔تَنْهَوْنَ''

۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اتنا اہم ہے کہ جسے انجام دینا امتوں کے امتیاز کا معیار ہے۔ ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ''

۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اُسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب مسلمان ایک امت کی شکل اختیار کرلیں، یعنی اُن کی ایک حکومت قائم ہو۔ ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ''

۵۔ مسلمان، تمام انسانی معاشروں کی اصلاح کے ذمہ دار ہیں۔ ''أُخرجت للنّاس''

۶۔ نیکوں کی ہدایت کرنے کا نتیجہ، برائیوں سے مقابلہ کئے بغیر کم ہی نکلتا ہے۔ ''تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر''

۷۔ امت کے ہر فرد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے۔ (ایک نو سال کی بچی بھی صدر مملکت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا حق رکھتی ہے)۔

۸۔ امر بالمعروف میں عمر، علاقہ، قوم، علم، پیسہ اور عہدہ کا کوئی معیار نہیں

ہے۔ ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ۔۔۔تَأْمُرُونَ۔۔۔تَنْهَوْنَ''

۹۔مسلمانوں کو مستحکم انداز میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے، نہ کہ ڈرتے ڈرتے اور التجا اور گزارش کرتے ہوئے۔''تأمرون''۔

۱۰۔امر بالمعروف، نہی عن المنکر پر مقدم ہے۔''تَأْمُرُونَ۔۔۔تَنْهَوْنَ''

۱۱۔ایسا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر موثر ہوسکتا ہے جو ایمان کی بنیاد پر ہو۔''تَأْمُرُونَ۔۔۔تَنْهَوْنَ، تؤمنون''۔

آثار و برکتیں

ہم یہاں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کچھ آثار اور برکتیں بیان کرتے ہیں، اگرچہ بعض موقع پر ان کا کوئی اثر بھی نہ ہو:

۱۔کبھی کبھی امر بالمعروف اثر نہیں کرتا، لیکن تاریخ، فطرت اور دوسروں کے فیصلوں میں اثر رکھتا ہے۔جیسا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں شہید ہوگئے تا کہ لوگوں کا ضمیر ہمیشہ کے لئے بیدار ہوجائے۔

۲۔کبھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دوسروں کے تحفظ کا راستہ ہموار کرتے ہیں۔جیسا کہ اذان کی آواز بلند کرنا مستحب ہے چاہے کوئی سننے والا بھی نہ ہو۔سڑک پر لال بتی کے سامنے گاڑی روکنا ضروری ہے چاہے سامنے سے کوئی گزرنے والی گاڑی بھی نہ ہو، کیونکہ قانون پر عمل کرنا اور قانون کے احترام کے لئے ماحول بنانا ضروری ہے۔

۳۔کبھی کبھی یہ کام گناہگاروں کو گناہ سے نہیں روکتا، لیکن ان سے مسلسل

کہنا، ان کے لئے گناہ کی لذت کو کم کر دیتا ہے اور اس کا مزہ تلخ ہو جاتا ہے اور وہ کم سے کم آسودہ خاطر ہو کر گناہ نہیں کر پاتے اور ایک روز ان کا ضمیر بیدار ہوگا اور اس امر بالمعروف کا اثر ہوگا۔

۴۔ آزادی کے تحفظ کے لئے امر و نہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ نہ کہنے سے معاشرہ میں خاموشی، خوف و ہراس کا ماحول بن جاتا ہے۔

۵۔ امر و نہی کرنا، خود انسان کی عظمت کو بڑھاتا ہے، اگر چہ دوسرے اُسے سنی ان سنی کر دیں، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''**و من احسن قولاً ممّن دعا الی اللّٰہ**''۔ (۳۲)

۶۔ اگر دوسروں پر بھی اثر نہ ہو تو کم سے کم ہمارے لئے قربت خدا، شجاعت کی تمرین و تلقین اور ہمدردی و ذمہ داری کے احساس کے جلوے کا سبب ہوگا۔

۷۔ غضب الٰہی کے وقت، نیکیوں کی ہدایت کرنے والوں کو نجات ملے گی

۸۔ امر و نہی سے انسان کے ضمیر کو سکون ملتا ہے، انسان اپنے دل میں یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی ذمہ داری پر عمل کر دیا، ضمیر کا یہ سکون بہت اہمیت رکھتا ہے، اگر چہ دوسروں نے اس پر عمل بھی نہ کیا ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہے، اگر چہ دوسرے لوگ اس پر عمل بھی نہ کریں، قرآن میں بار بار ارشاد ہوتا ہے: لوگ انبیاء علیہم السلام کی باتوں اور ہدایتوں کو نہیں سنتے تھے اور اُن سے منہ موڑ لیتے تھے، لیکن وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری پر عمل کرتے ہوئے شہید ہو گئے، تا کہ حق کا راستہ گم نہ ہو اور حق کی راہ نابود نہ ہو جائے۔

❁❁❁❁❁

آٹھواں درس

سورہ حمد کی تفسیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ "۱" اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعالَمِینَ "۲" الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ "۳" مالِکِ یَوْمِ الدِّینِ "۴" اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِینُ "۵" اِھْدِنَا الصِّراطَ الْمُسْتَقِیمَ "۶" صِراطَ الَّذِینَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْھِمْ وَ لاَ الضَّالِّینَ۔ "۷"

''عظیم اور دائمی رحمتوں والے خدا کے نام سے ۔ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے۔ وہ عظیم اوردائمی رحمتوں والا ہے۔ روزِ قیامت کا مالک ومختار ہے۔ پروردگارا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرما تا رہ۔ یہ اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پرتو نے نعمتیں نازل کی ہیں ان کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوا ہے یا جو بھکے ہوئے ہیں''۔

''الحمدللہ'' خداوندعالم کا بہترین شکر ہے۔کوئی انسان کسی جگہ پر، کسی بھی زبان میں، کسی بھی کمال اور خوبصورتی کی کسی بھی طرح کی تعریف کرتا ہے تو درحقیقت وہ اس کے سرچشمہ کی تعریف ہوتی ہے۔اگر چہ مخلوق کا شکریہ ادا کرنا،

خداند عالم کی حمد وثنا کے مخالف نہیں ہے، اس شرط کے ساتھ کہ خدا کے حکم سے ہو اور اُس کے بتائے ہوئے راستہ کے مطابق ہو۔

خداوند عالم نے اپنے اوپر رحمت کو ضروری قرار دیا ہے، ''**کتاب ربکم علی نفسه الرحمة**''(۳۳) اور اس کی رحمت ہر چیز پر سایہ فگن ہے۔ ''**ورحمتی وسعت کل شیء**''(۳۴) اسی طرح اس کے انبیاء اور کتاب رحمت ہے۔''**رحمة للعالمین**''(۳۵) خداوند عالم کا تمام چیزوں کی تخلیق اور ان کی پرورش کرنا بھی رحمت کی بنیاد پر ہے اور اگر وہ کسی کو عذاب بھی دیتا ہے تو بھی اس کے لطف وکرم کی بنا پر ہوتا ہے۔

کسی کے گناہوں کو بخش دینا، بندوں کی توبہ کو قبول کرنا، کسی کے عیوب پر پردہ ڈالنا اور انھیں اپنی خطاؤں کی تلافی کا موقع دینا ہے، یہ سب خداوند عالم کی رحمت ومہربانی کا جلوہ ہے۔

حالانکہ خداوند عالم تمام چیزوں کا ہر موقع پر حقیقی مالک ہے،، لیکن قیامت کی مالکیت کا ایک الگ ہی انداز ہوگا۔

''نعبد'' کا جملہ بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے اور اس چیز کو بھی بیان کرتا ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی اور ایک ہی راستہ پر گامزن ہیں۔نماز میں گویا انسان تمام خدا پرستوں کی طرف سے کہتا ہے: خدایا! صرف میں ہی نہیں سبھی تیرے بندہ ہیں، صرف میں ہی نہیں بلکہ سبھی تیرے لطف وکرم کے محتاج ہیں۔

سورہ حمد، صراط مستقیم کو ان لوگوں کا راستہ قرار دیتا ہے جن پر خداوند عالم

نے نعمتیں نازل کی ہیں: جیسے انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین۔(۳۶) ان بزرگوں کی راہ پر توجہ رکھنا اور ان کے راستہ پر چلنے کی آرزو کرنا خود ہی ہمیں انحراف اور گمراہی سے بچاتا ہے۔اس درخواست کے بعد خداوند عالم سے غضب کئے جانے والے اور گمراہ لوگوں کے راستہ پر نہ چلانے کی درخواست ہے۔

''**انعمتَ علیھم**'' میں نعمت سے مراد، نعمت ہدایت ہے۔ کیونکہ آیت میں اس سے پہلے ہدایت کا ذکر ہوا ہے۔اس کے علاوہ، مادّی نعمتیں تو کفار، گمراہ اور دوسرے لوگوں کو بھی ملتی ہے۔

ہدایت پانے والوں کے لئے بھی خطرہ پایا جاتا ہے اور ہمیشہ خداوند عالم سے درخواست کرنا چاہئے کہ ہمیں غضب کئے جانے والوں اور گمراہ لوگوں کے راستہ سے محفوظ رکھے۔

سورہ حمد کے تربیتی سبق

۱۔''**بسم اللّٰہ**'' کے ذریعہ غیر خدا سے امید نہ رکھیں۔

۲۔''**ربّ العالمین**'' اور''**مالک یوم الدین**'' کے ذریعہ یہ احساس پیدا ہو کہ ہم خداوند عالم کے پرورش یافتہ اور خداوند عالم کے بندے ہیں، جس کی بنا پر خود پرستی اور غرور کو ترک کرنا چاہئے۔

۳۔لفظ''**عالمین**'' کے ذریعہ ہم اپنے کو نظام کائنات سے جڑا دیکھتے ہیں اور اکیلے سفر کرنے اور کنارہ کشی سے پرہیز کریں۔

۴۔''**الرحمن الرحیم**'' کے ذریعہ ہم خود کو خداوند عالم کے زیر سایہ دیکھتے ہیں۔

۵۔''مالک یوم الدین'' کے ذریعہ آئندہ کے سلسلہ میں غفلت دور ہوجاتی ہے۔

۶۔''ایاک نعبد'' کہنے سے ریاکاری اور شہرت پسندی دور ہوجاتی ہے۔

۷۔''ایاک نستعین'' کے ذریعہ غیر الٰہی طاقتوں کی پناہ سے دور رہیں گے۔

۸۔''انعمتَ'' کہنے سے تمام نعمتوں کو اسی کی طرف سے مانتے ہیں۔

۹۔''اھدنا'' کے ذریعہ راہِ حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی درخواست کرتے ہیں۔

۱۰۔''صراط الذین انعمت علیھم'' کے ذریعہ حق کے پیروکاروں سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۱۔''غیر المغضوب علیھم'' اور''ولا الضآلّین'' کے ذریعہ باطل راستے اور اہل باطل سے برائت و بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔

''بسم اللہ'' کی اہمیت

''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمنِ الرَّحیمِ''، نہ صرف قرآن کریم کی ابتداء میں بلکہ تمام آسمانی کتابوں کے شروع میں بیان ہوئی ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے کاموں کی ابتداء ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمنِ الرَّحیمِ'' سے ہوتی تھی۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی جب ملکہ سبا کو ایمان کی طرف دعوت دی تو دعوت نامہ کو''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمنِ الرَّحیمِ'' سے شروع کیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمنِ الرَّحیمِ'' کاموں میں برکت کا سبب اور اسے ترک کرنا ناکامی کا سبب ہوتا ہے۔

ہر کام کی ابتداء میں ''بسم اللہ'' کہنے کی تاکید ہوئی ہے؛ کھانا کھانے، سونے، لکھنے، سوار ہونے اور سفر پر جانے اور ہر کام کی ابتداء کے لئے بسم اللہ کہنا چاہئے؛ یہاں تک کہ اگر کسی حیوان کو بسم اللہ کہے بغیر ذبح کر دیا جائے تو اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

''بسم اللہ'' مسلمان ہونے کی نشانی اور اس کا ''آرم'' ہے اور ہر مسلمان کے ہر کام میں الٰہی رنگ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ کسی ایک کارخانہ کی بنی ہوئی چیزوں میں اسی کارخانہ کا آرم اور نشانی لگی ہوتی ہے؛ چاہے وہ ایک ہو یا کثیر تعداد میں ہوں۔ یا جس طرح کسی ایک ملک کا جھنڈا اداروں، اسکولوں اور فوجی اڈوں پر لہراتا ہے اور دریاؤں میں چلنے والی کشتیوں کی بلندی پر اور کارکنوں کے دفتری میز پر بھی ہوتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''بسم اللہ'' قرآن کی سورتوں کا تاج ہے۔ قرآن کریم میں صرف سورہ توبہ کی شروعات میں ''بسم اللہ'' نہیں آئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ''بسم اللہ'' رحمت اور امان کا پیغام ہے، اور کفّار و مشرکین سے برائت و بیزاری کے اعلان میں محبت و مہربانی سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ (۳۷)

''بسم اللہ''، شیطان کے بھاگنے کا سبب ہے، جس شخص کے ساتھ خدا ہوگا، شیطان اس پر اثر گزار نہیں ہوسکتا۔

صراط مستقیم

''صراط'' دوزخ کے اوپر ایک پُل کا نام ہے جس سے سبھی انسانوں کو گزرنا ہوگا۔

صراط مستقیم پر ہونا، صرف ایک ایسی درخواست ہے کہ جو ہر مسلمان خداوند عالم سے ہر نماز میں کرتا ہے؛ یہاں تک کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام خداوند عالم سے صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی دعا کیا کرتے تھے۔

صراط مستقیم کے مختلف مرتبے اور منزلیں ہیں: ''**والذّین اهتدوا زادَهم هُدی**''۔(۳۸) یہاں تک کہ جو لوگ راہِ حق پر ہیں جیسے اولیاء الٰہی، تو ان پر بھی لازم ہے کہ وہ راہِ ہدایت پر رہنے اور نورِ ہدایت میں اضافہ کے لئے دعا کریں۔

راہِ مستقیم یعنی اعتدال، میانہ روی، اور ہر طرح کی کمی یا زیادتی سے پرہیز کرنا چاہئے، چاہے عقیدہ میں ہو یا عمل میں۔

حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام نے بیان کیا ہے: صراط مستقیم ہم ہیں۔(۳۹) یعنی صراط مستقیم کے عینی اور عملی نمونہ اور اس راہ میں قدم بڑھانے کے لئے اسوہ اور آئیڈیل، آسمانی رہبر ہیں۔ انھوں نے اپنے احکامات میں زندگی کے تمام مسائل کا حکم بیان کیا ہے، جیسے کام کاج، تفریح، تعلیم، کھانا پینا، راہِ خدا میں خرچ کرنا، کسی پر تنقید کرنا، قہر، صلح، اولاد سے محبت وغیرہ، اور ہمیں اعتدال اور میانہ روی کی نصیحت کی ہے۔(۴۰) مزے کی بات تو یہ ہے کہ شیطان اسی صراط مستقیم پر تاک لگائے بیٹھا ہے۔''**لاقعدن لهم صراطک المستقیم**''

قرآن کریم اور روایات میں اس بات کے بہت سے نمونے بیان ہوئے ہیں جن میں اعتدال کی تاکید ہوئی ہے جو کہ صراط مستقیم ہے، اور کمی یا زیادتی سے منع کیا گیا ہے۔ جی ہاں، اسلام ایک پہلو کا دین نہیں ہے جس کے ایک پہلو پر توجہ کی جائے اور دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جائے؛ بلکہ ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی اور راہِ مستقیم کی تاکید ہوئی ہے۔

قرآن کریم میں غضب میں مبتلا ہونے والے لوگ

قرآن کریم میں فرعون، قارون، ابولہب جیسے لوگ اور قوم عاد، قوم ثمود، بنی اسرائیل جیسی امتیں غضب ہونے والوں کے عنوان سے بیان ہوئی ہیں۔ اور بعض لوگوں کو گمراہ کرنے والوں کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے، جیسے: ابلیس، فرعون، سامری، بُرے دوست، منحرف آباء و اجداد اور عہدہ داران۔ اس کے علاوہ متعدد آیات میں غضب شدہ اور گمراہ لوگوں کی خصوصیات اور ان کے مصداق بھی بیان ہوئے ہیں:

ہم ہر نماز میں خداوند عالم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم غضب شدہ لوگوں کی طرح نہ ہوں، یعنی آیات میں تحریف کرنے والے، سود کھانے والے، جہاد میں شرکت نہ کرنے والے نہ ہوں، اسی طرح گمراہ لوگوں میں سے نہ ہوں، جنھوں نے حق کو چھوڑ دیا اور باطل کی طرف مائل ہو گئے اور دین اور اپنے عقیدہ میں غلو اور کثرت پسندی سے کام لیا، یا اپنی یا دوسروں کی ہوا و ہوس کی پیروی کرنے والے بن گئے۔

قرآن کریم میں انحراف اور گمراہی کا راستہ ہموار کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

۱۔ ہوا و ہوس۔ ''اتخذ الٰهه هواه و اضلّه اللّٰہ''

۲۔ بت۔ ''جعلوا اللّٰہ انداداً لیضلوا عن سبیله''

۳۔ گناہ۔ ''و ما یضل به الا الفاسقین''

۴۔ باطل کی سرپرستی کو قبول کرنا۔ ''انه من تولاه فانه یضلّه''۔

۵۔ جہل و نادانی۔ ''و ان کنتم من قبله لمن الضآلین''۔

انسان اس سورہ میں انبیاء، شہداء اور صالحین سے اور ان کی راہ کی نسبت محبت اور دوستی اور تولا کا اظہار کرتا ہے اور ماضی کے غضب میں مبتلا ہونے والے اور گمراہ لوگوں سے برائت اور بیزاری اختیار کرتا ہے اور یہ تولا و تبرا کا مصداق ہے۔

❀❀❀❀❀

نواں درس

نماز شب

نماز شب کی اہمیت وفضیلت

''وَ مِنَ اللَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نافِلَةً لَکَ عَسیٰ أَنْ یَبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقاماً مَحْمُوداً''۔[1]

''اور رات کے ایک حصہ میں قرآن کے ساتھ بیدار رہیں یہ آپ کے لئے اضافہ خیر ہے عنقریب آپ کا پروردگار اسی طرح آپ کو مقام محمود تک پہنچادے گا''۔

''هَجود'' کے معنی سوجانے کے ہیں، اور ''تَهجّد'' کے معنی عبادت کی وجہ سے سونے کو ترک کرنا ہے۔ ''مقاماً'' کے لفظ میں (تنوین کی وجہ سے) عظمت چھپی ہوئی ہے اور ''مقام محموداً'' سے مراد وہی شفاعت ہے۔

تین چیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھی اور دوسروں پر مستحب ہے، نماز شب، مسواک اور سحر خیزی۔

---

[1]۔ سورہ اسراء، آیت ۷۹

نماز شب بہت با فضیلت نمازوں میں سے ہے اور اس کے سلسلہ میں سورہ مزمّل اور سورہ مدثّر میں بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے: ''**قم الیل الا قلیلا**''۔

روایات میں نماز شب کے لئے تیس سے زیادہ فضیلتیں شمار کی گئی ہیں کہ جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

تمام انبیاء علیہم السلام نماز شب پڑھا کرتے تھے۔ نماز شب بدن کی سلامتی کا راز اور قبر کے نور کا سبب ہے۔ نماز شب، اخلاق و کردار، روزی میں اضافہ اور غموں کو دور کرنے، دین کی ادائیگی اور چہرہ اور آنکھ کے نور میں موثر ہوتی ہے۔

نماز شب، دن بھر کے گناہوں کو نابود کر دیتی ہے اور نماز شب، قیامت کا نور ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: نماز شب کی جزا اتنی زیادہ ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے: ''**فلاتعلم نفس ما أخفی لهم من قُرّة اعین جزاء بما کانوا یعملون**''، کوئی بھی شخص نہیں جانتا کہ اس کے لئے کیا جزا مقرر کی ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: مومن کا شرف، نماز شب ہے، اور اس کی عزت، دوسروں کو آزار و تکلیف نہ پہچانا ہے۔

ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں: بدبخت وہ شخص ہے جو نماز شب سے محروم ہو۔

جناب ابوذر خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے لوگوں کو نصیحت کر رہے تھے کہ قبر کی

تنہائی اوراس کی وحشت سے نجات پانے کے لئے رات کی تاریکی میں دو رکعت نماز شب پڑھیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کا کلام اچھا ہو، بھوکوں کو سیر کرے اور جب لوگ سور ہے ہوں تو وہ نماز شب پڑھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے تین بار فرمایا: آپ پر نماز شب، واجب ہے،

''علیک بصلاۃ اللیل، علیک بصلاۃ اللیل، علیک بصلاۃ اللیل''۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: مومن کی زینت اوراس کا افتخار نماز شب پڑھنا ہے۔

ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: میں نماز شب پڑھنے کی توفیق سے محروم ہوگیا ہوں! تو امام علی علیہ السلام نے فرمایا: ''**قیدتک ذنوبک**'' تمہارے گناہوں نے تمہیں نماز شب سے روک دیا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز وتر میں ۷۰ رمرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔(۴۲)

سحر خیزی اور عبادت میں شب بیداری

''إِنَّ ناشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئاً وَ أَقْوَمُ قيلاً''۔[1]

''بیشک رات کا اُٹھنا نفس کی پامالی کے لئے بہترین ذریعہ اور ذکر کا بہترین وقت ہے''۔

۱۔ سورہ مزمل، آیت ۶

خداوند عالم نے زمانہ کے تمام حصوں کی قسم کھائی ہے، جیسے: ''والفجر''، ''والصبح''، ''والنہار''، ''والعصر''۔ لیکن سحر کی تین مرتبہ قسم کھائی ہے: ''والیل اذا یسر''۔ ''والیل اذا عسعس''۔ ''والیل اذا اَدبر'' یعنی قسم ہے رات کی کہ جب وہ ختم ہونے والی ہو، (یعنی سحر کا وقت)

سحر میں استغفار اور سحر خیزی کے سلسلہ میں دو آیتوں میں بیان ہوا ہے: ''وبالاسحار ھم یستغفرون''، ''المستغفرین بالاسحار''۔

خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمایا: اے موسیٰ! وہ شخص جھوٹ بولتا ہے کہ جو کہتا ہے کہ میں خدا کو دوست رکھتا ہوں، لیکن وہ رات کے وقت مجھ سے گفتگو کرنے کے بجائے سو جاتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک رات کی تاریکی میں دو رکعت نماز شب پڑھنا، دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

❁❁❁❁❁

دسواں درس

دو بھلا دئے گئے واجب

زکوٰۃ

''إِنَّمَا الصَّدَقاتُ لِلْفُقَراءِ وَ الْمَساكِينِ وَ الْعامِلينَ عَلَيْها وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَ فِي الرِّقابِ وَ الْغارِمينَ وَ فِي سَبيلِ اللّهِ وَ ابْنِ السَّبيلِ فَريضَةً مِنَ اللّهِ وَ اللّهُ عَليمٌ حَكيمٌ''۔[1]

''صدقات وخیرات بس فقراء، مساکین اوران کے کام کرنے والے اور جن کی تالیف قلب کی جاتی ہے اور غلاموں کی گردن کی آزادی میں اور قرضداروں کے لئے اور راہِ خدا میں غربت زدہ مسافروں کے لئے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے''۔

زکوٰۃ کا حکم مکہ میں نازل ہوا ہے، لیکن مسلمانوں کی کم تعداد اور زکوٰۃ کا پیسہ کم ہونے کی وجہ سے مسلمان خود ہی زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے، لیکن مدینہ میں اسلامی حکومت تشکیل پانے کے بعد، لوگوں سے زکوٰۃ لینا اور اسے بیت المال کے

---

[1]۔ سورۂ توبہ، آیت ۶۰

حوالہ کرنا اور اس میں دخل وتصرف حاکم اسلامی کے ذریعہ ہوتا تھا۔ ''خذ من اموالھم صدقة''۔(۴۳)

زکوٰۃ اسلام سے مخصوص سے نہیں ہے، بلکہ گزشتہ ادیان میں بھی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں گفتگو کرنی شروع کی اور کہا: ''اوصانی بالصلاة و الزکاة''۔(۴۴) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہیں: ''اقیموا الصلاة و اتو الزکاة''(۴۵) نیز دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بیان ہوا ہے: ''وجعلناھم ائمة یھدون بامرنا و اوحینا الیھم فعل الخیراتِ و اقام الصلاة و ایتاء الزکاة''۔(۴۶)

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے لئے چار طرح کے الفاظ بیان ہوئے ہیں:

۱۔ مال دینا۔ ''و اٰتی المال علی حبه ذوی القربی''۔

۲۔ صدقہ۔ ''خذ من اموالھم صدقه''۔

۳۔ انفاق۔ ''یقیموا الصلاة و ینفقوا''۔

۴۔ زکوٰۃ۔ ''یقیمون الصلاة و یوتون الزکاة''۔

زکوٰۃ کی اہمیت

قرآن کریم میں عام طور پر زکوٰۃ، نماز کے ساتھ آئی ہے اور کوئی دینی واجب اس طرح نماز کے ساتھ بیان نہیں ہوا ہے اور بعض روایات کے مطابق نماز کی قبولی کی شرط، زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ اور دونوں کے درمیان یہ وصلت خدا اور اس کے بندوں کے رابطہ کو بیان کرتی ہے۔

سادات پر زکوٰۃ لینا حرام ہے، بنی ہاشم کے چند لوگوں نے پیغمبر اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ہمیں حیوانات کی زکوٰۃ جمع کرنے کی ذمہ داری دیدیں اور اس طرح زکوۃ جمع کرنے والوں کے عنوان سے زکوٰۃ کا ایک حصہ ہمیں بھی مل جائے گا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ مجھ پر اور تم پر حرام ہے، مگر یہ کہ زکوٰۃ لینے والا اور زکوٰۃ دینے والا دونوں سید ہوں۔

زکوٰۃ کا قانون، اس معنی میں نہیں ہے کہ اسلام زکوٰۃ لینے والے غریبوں یا زکوٰۃ دینے والے مالداروں کے معاشرہ کو دو حصہ میں دیکھنا چاہتا ہے، بلکہ معاشرہ کی موجود حقیقت کے لئے ایک راہِ حل پیش کیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات مالدار لوگ بھی چوری ہونے، آگ لگنے، حادثہ، جنگ اور اسیری میں مبتلا ہوتے ہیں اور اسلامی نظام کو اس طرح سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

روایات میں بیان ہوا ہے: ''خداوند عالم نے مالداروں کے مال میں ضرورت مندوں کی مشکل حل کرنے کی مقدار بھر حق قرار دیا ہے اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہ مقدار غریبوں کے لئے کافی نہیں ہے تو اس میں اضافہ کر دیتا۔ اگر لوگ، غریبوں کے حقوق کو ادا کریں تو پھر سبھی ایک اچھی زندگی بسر کر سکتے ہیں اور اگر مالدار لوگ زکوٰۃ ادا کرتے تو پھر کوئی انسان، غریب نہ ہوتا''۔ (۴۷)

لوگوں کی درآمدنی کے بڑھنے سے روک تھام اور اُسے محدود کرنے کے سلسلہ میں بعض لوگوں کے عقیدہ کے برخلاف، اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کو ایک طرح کی آزادی ہو، تاکہ انسان اپنی جدّ و جہد اور خداداد نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ایجادات کی بنیاد پر ترقی کرے لیکن اس کا ٹیکس بھی ادا کریں۔

''فی سبیل اللہ'' راہ خدا میں زکوٰۃ خرچ کرنے میں غربت شرط نہیں ہے، بلکہ جہاں بھی اسلام کی حکمرانی میں مدد ملے، وہاں زکوٰۃ کو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

شر پسند افراد کے شرّ کو معاشرہ سے دور کرنے کے لئے زکوٰۃ سے مدد لی جاسکتی ہے اور یہ ''والمؤلفة القلوبهم'' میں شامل ہے۔

اگر کسی کے ذمہ دیت ہو اور وہ اُسے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ''والغارمین'' کے تحت زکوٰۃ سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے تاکہ وہ دیت ادا کرسکے۔

شاید ''فی الرقاب'' کی بنا پر قیدیوں کی آزادی یا اُن کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کے آٹھ مقامات پر خرچ کرنے کے لئے برابر سے تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ حاکم شرع کی مرضی اور ضرورتوں کے پیش نظر تقسیم کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ، مال و دولت کو درمیانی حد میں باقی رکھنے کا سبب ہے۔

زکوٰۃ، خداوند عالم کی دی ہوئی نعمتوں کا عملی شکر ہے۔

زکوٰۃ، طبقاتی فاصلوں کو کم کردیتی ہے اور غریبوں اور مالداروں کے درمیان موجود کینہ و دشمنی کو کم کرتی ہے۔

زکوٰۃ، انسان کے اندر سخاوت اور رحمت کی روح کو زندہ رکھتی ہے اور دنیا داری اور مادّی وابستگی کو کم کردیتی ہے۔

زکوٰۃ، معاشرہ کے نیازمندوں کی اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنے میں

مددگار ہوتی ہے۔غریب انسان سے کہتی ہے: پریشان نہ ہو، دیوالیہ نکلنے والے سے کہتی ہے: پھر سے کوشش کر، مسافر سے کہتی ہے: سفر میں رہ جانے سے نہ ڈر، کارکن سے کہتی ہے کہ تیرا حصہ محفوظ ہے، غلاموں کو آزادی کی بشارت دیتی ہے، الٰہی خدمات میں رونق عطا کرتی ہے اور غیر مسلموں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرتی ہے۔

یاد خدا سے غفلت، لوگوں سے غلط فائدہ اٹھانا، سنگدلی، طغیان اور عیاشی، بہت زیادہ مال و دولت اکھٹا کرنے کا نتیجہ ہوتی ہے، اور زکوٰۃ اس بیماری کی دوا ہے۔

زکوٰۃ، غربت کو ختم کرنے کے علاوہ، اسلام کی طرف رجحان کو بڑھاتی ہے، یا کم از کم دشمنان اسلام کی مدد کرنے سے روکتی ہے۔جیسا کہ روایات میں بیان ہوا ہے کہ جن لوگوں کا ایمان کمزور ہوتا ہے تو اس کی مالی امداد کرنے اور اسلام سے نزدیک کرتے ہوئے، اُن کا ایمان مستحکم ہوسکتا ہے۔

زکوٰۃ، جو کہ اسلامی نظام کا ایک منصوبہ ہے، اجتماعی عدالت، غربت کا خاتمہ، کارکنوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے، بین الاقوامی محبوبیت پیدا کرنے، قیدی اور غلاموں کی آزادی، افراد کو جدّ و جہد پر آمادہ کرنے، مسلمانوں کی بنیادوں اور آئین کے تحفظ اور عام خدمات میں وسعت دینے کا سبب ہے۔

خمس

خمس، روایات اور شیعہ عقیدہ کے مطابق سورہ انفعال کی آیت نمبر ۴۱ر میں ہر طرح کی درآمد کو شامل ہے، چاہے کاروبار کے ذریعہ ہو یا تجارت کے

ذریعہ۔خمس کا ایک مورد اس آیہ شریفہ میں بیان ہوا ہے اور دیگر مقامات پر روایات میں بیان آیا ہے: ''وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ''

روایات میں خمس کی بہت زیادہ اہمیت بیان ہوئی ہے، جیسے: جو شخص اپنے مال کا خمس ادا نہ کرے، اس کا مال حلال نہیں ہوگا اور وہ اُسے خرچ کرنے کا حق نہیں رکھتا اور جس لباس کا خمس ادا نہیں کیا گیا، اس میں نماز کا صحیح ہونا مشکل ہے۔(۴۸)

فقہائے کرام نے ۷ رچیزوں پر خمس کو واجب قرار دیا ہے: ۱۔کمانے سے حاصل ہونے والا فائدہ، ۲۔کان، ۳۔ دفینہ، (خزانہ)، ۴۔سمندر میں غوطہ لگانے سے حاصل ہونے والا مال، ۵۔حلال مال جو حرام سے مخلوط ہوجائے۔۶۔ وہ زمین جو کافر ذمی مسلمان سے خریدے۔۷۔ جنگ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت۔(۴۹)

یہ بات بہت واضح ہے کہ خداوند عالم کو خمس کی ضرورت نہیں ہے، اس بنا پر خدا کا حصہ، قانونِ خدا کی حکمرانی اور ولایت رسول کے نفاذ، اسلام کی آواز کو دنیا والوں تک پہنچانے، کمزوروں کو نجات دلانے اور مفسدوں کے فساد سے روک تھام کے لئے ہے۔

روایات کے مطابق خدا کا حصہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں اور آنحضرتؐ کے بعد آنحضرتؐ کا حصہ، امامؑ کے اختیار میں ہے۔اور یہ تین حصے، غیبت امام کے زمانہ میں آپ کے نائب خاص یا نائب عام یعنی جامع الشرائط مرجع تقلید کو (دین امور کی فلاح و بہبودی میں خرچ کے لئے) دیئے جاتے

ہیں۔(۵۰)

خمس خرچ کرنے کے دیگر مقامات میں سے بنی ہاشم کے سادات کے مسکین اور سفر میں رہ جانے والوں کے لئے خمس ہے۔ چونکہ سادات پر زکوٰۃ لینا حرام ہے، لہٰذا خمس کے ذریعہ ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔(۵۱) درحقیقت اسلام نے معاشرہ کی غربت کو ختم کرنے کے لئے دو چیزیں واجب کی ہیں، ایک زکوٰۃ جو معاشرہ کے تمام غریبوں کے لئے ہے اور دوسرے خمس، جس کا ایک حصہ غریب سادات کے لئے ہے اور خمس و زکوٰۃ ان غریبوں کے سال بھر کے خرچ کے مطابق دیا جائے گا، اس سے زیادہ نہیں۔

❁❁❁❁❁

گیارہواں درس

ماں باپ

والدین کے ساتھ احسان

''وَ قَضی رَبُّکَ أَلاَّ تَعْبُدُوا إِلاَّ إِیَّاہُ وَ بِالْوالِدَیْنِ إِحْساناً إِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ أَحَدُھُما أَوْ کِلاھُما فَلا تَقُلْ لَھُما أُفٍّ وَ لا تَنْھَرْھُما وَ قُلْ لَھُما قَوْلاً کَریماً۔ وَ اخْفِضْ لَھُما جَناحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَبِّ ارْحَمْھُما کَما رَبَّیانی صَغیراً''۔[1]

''اور آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوجائیں تو خبردار ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان سے ہمیشہ شریفانہ گفتگو کرتے رہنا۔ اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار! اُن دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح انھوں نے

---

[1]۔ سورہ اسراء، آیات ۲۳ تا ۲۴

بچپنے میں مجھے پالا ہے''۔

والدین کے ساتھ احسان کرنے کے سلسلہ میں احادیث میں بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے، اوران کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت کی گئی ہے:

والدین کی طرف رحمت ومہربانی سے ایک نظر دیکھنے کا ثواب، حج مقبول کا ثواب ہے۔ والدین کی خشنودی، رضائے الٰہی کا سبب اوران کی ناراضگی، خدا کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے سے عمر طولانی ہوتی ہے اوراس کے ساتھ اس کی اولاد کی نیکی کا سبب بنتا ہے۔

احادیث میں بیان ہوا ہے: ''اگر (ماں باپ نے) تمہیں مار بھی دیا ہو تو انھیں ''اُف'' تک نہ کہو، اُن کے سامنے ہاتھ بلند مت کرو، اُن سے آگے نہ چلو، ان کا نام نہ لو، ایسا کام نہ کرو جس کی بنا پر لوگ انھیں گالی دیں، ان سے پہلے نہ بیٹھو، اوران کے طلب کرنے سے پہلے ان کی مدد کرو۔

ایک شخص اپنی ماں کو پیٹھ پر بٹھا کر طواف کرا رہا تھا، اُس کی نگاہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو اس نے سوال کیا کہ کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے؟ فرمایا: تو اپنی پیدائش کے وقت ماں کے ایک درد و نالہ کا حق بھی ادا نہیں کر پایا ہے۔

حدیث میں بیان ہوا ہے: اگر تمہارے والدین تمہیں ماریں بھی تو تم کہو: ''خداوند عالم تمہاری بخشش فرمائے اور یہ وہی ''قول کریم'' ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا: یارسول اللہ! کیا والدین کے مرنے کے بعد بھی اُن کے ساتھ احسان کیا جا سکتا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی

ہاں، ان کے لئے نمازیں پڑھنا، ان کے لئے استغفار کرنا، ان کے وعدوں کو پورا کرنا، ان کے قرض کو ادا کرنا اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا، ان کے ساتھ احسان ہے۔

ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے باپ کی شکایت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باپ کو بلایا اور اس سے سوال کیا، اس کے بوڑھے باپ نے کہا: ایک دن میں طاقتور اور مالدار تھا اور میں اس کی مدد کیا کرتا تھا اور آج وہ مالدار ہو گیا ہے لیکن میری مدد نہیں کرتا۔ اس موقع پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے لگے اور فرمایا: کوئی بھی ذرہ اور پتھر ایسا نہیں ہے جو اس واقعہ کو سن کر گریہ نہ کرے! اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''**انتَ و مالُک لأبیک**''؛ تو اور تیرا سارا مال تیرے باپ کا ہے۔

والدین کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا، انبیاء علیہم السلام کے صفات میں سے ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ''**بِراً بوالدتی**'' (۵۲) اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ''**بِراً بوالدیه**'' (۵۳) کی صفت بیان ہوئی ہے۔

اگر والدین توجہ کریں کہ ان کا تذکرہ توحید الٰہی کے فوراً بعد ہوا ہے، تو پھر ان کے اندر اپنی اولاد کو توحید کی طرف دعوت دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اس بنا پر اس آیت کے ذریعہ درج ذیل نکات حاصل ہو سکتے ہیں:

۱۔ والدین کی خدمت کرنا، ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا، حقیقی توحید کے ماننے والوں کی صفت ہے۔ ''**الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احساناً**''۔

۲۔ والدین کے ساتھ نیکی واحسان کا حکم، توحید کے حکم کی طرح یقینی اور نسخ نہ ہونے والا ہے۔ ''قضیٰ''۔

۳۔ والدین کے ساتھ نیکی واحسان کا حکم، توحید اور خداوند عالم کی اطاعت کے ساتھ ساتھ بیان ہوا ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ کام عقلی طور پر بھی واجب ہے اور انسانی ذمہ داری بھی ہے اور شرعی واجب بھی۔ ''**قضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احساناً**''۔

۴۔ نئی نسل، ایمان کے زیر سایہ، گزشتہ نسل سے مستحکم رابطہ رکھے۔ ''**لاتعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احساناً**''۔

۵۔ والدین کے ساتھ نیکی واحسان کرنے میں والدین کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ ''**بالوالدین احساناً**''۔

۶۔ ماں باپ پر نیکی واحسان میں ماں اور باپ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ''**بالوالدین احساناً**''۔

۷۔ والدین کے ساتھ نیکی واحسان، بلاواسطہ اور اپنے ہاتھ سے انجام دیا جائے۔ ''**بالوالدین احساناً**''۔

۸۔ احسان، انفاق سے بالاتر ہے، اور احسان میں محبت، ادب، تعلیم، مشورت، اطاعت، شکریہ، حفاظت جیسی سبھی چیزیں شامل ہیں۔ ''**بالوالدین احساناً**''۔

۹۔ والدین کے ساتھ نیکی و احسان کے لئے کوئی حد معین نہیں ہے۔ ''**بالوالدین احساناً**''۔ (فقیر کی طرح سے نہیں کہ وہ سیر ہو جانے تک، جہاد کی

طرح سے نہیں کہ فتنہ کا خاتمہ ہوجانے تک اور روزہ کی طرح سے نہیں کہ افطار کا وقت پہنچ جانے تک)

۱۰۔ نیکی اور احسان کا قرآنی حکم اولاد سے متعلق ہے، والدین سے نہیں۔ ''**بالوالدین احساناً**''۔

۱۱۔ والدین کی جسمانی اور نفسیاتی ضرورت جتنی زیادہ ہو، اسی لحاظ سے ان کے ساتھ احسان بھی ضروری ہے، ''**یبلغنّ عندالکبر**''۔

۱۲۔ بوڑھے ماں باپ کو خدماتی مرکز برائے بزرگان (**old age home**) نہ بھیجیں بلکہ اُن کو اپنے پاس ہی رکھیں ''**عندک**''۔

۱۳۔ احسان بھی ضروری ہے اور نرم لہجہ اور بہترین کلام بھی: ''**احساناً۔۔۔ قل لھما قولاً کریماً**''۔

۱۴۔ والدین کے ساتھ نیکی میں نرم لہجہ کے لئے شرط نہیں ہے کہ اگر والدین نرم لہجہ اختیار کریں تو تم بھی نرم لہجہ اختیار کرو، بلکہ اگر ان کا نرم لہجہ نہ ہو تو بھی حکم یہی ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو۔

۱۵۔ اولاد جس مقام اور عہدہ پر بھی ہو، والدین کے سامنے انکساری کرے اور اپنے کمالات کو والدین کے سامنے نہ جتائے۔ ''**واخفض لھما جناح الذل**''۔

۱۶۔ والدین کے ساتھ تواضع، پیار و محبت کی بنیاد پر ہو، نہ کہ دکھاوے کے لئے اور ظاہری طور پر، یا ان سے مال و دولت لینے کے لئے۔ ''**واخفض لھما جناح الذل۔۔۔ من الرحمۃ**''۔

۱۷۔ ماں باپ کی نسبت اولاد کو متواضع بھی ہونا چاہئے اور ان کے لئے خداوند عالم سے رحمت کی دعا بھی کرنی چاہئے۔

"واخفض۔۔۔و قل رب ارحمهما"۔

۱۸۔ ماں باپ کے حق میں اولاد کی دعا مستجاب ہے۔ ورنہ خداوند عالم اس دعا کا حکم نہ دیتا۔ "و قل رب ارحمهما"۔

۱۹۔ ماں باپ کے لئے دعا کرنا، حکم خدا پر عمل اور والدین کا شکریہ ادا کرنے کی نشانی ہے۔ "و قل رب ارحمهما"۔

۲۰۔ رحمتِ الٰہی، والدین کی تربیت میں اٹھائی گئی زحمتوں کی تلافی ہے۔ "رب ارحمهما کما ربانی"۔ گویا خداوند عالم اولاد سے فرماتا ہے: تم (اپنے والدین کے سلسلہ) مہربانی کے سلوک سے گریز نہ کرو، اور مجھ سے بھی مدد طلب کرو کہ ان کا حق ادا کرسکو۔

۲۱۔ اپنے گزشتہ اور بچپن کی سختیوں اور مشکلات کو نہ بھلاؤ جو تمہاری پرورش میں والدین پر پڑی ہیں۔ "کما ربانی 'صغیراً"۔

۲۲۔ ماں باپ اپنی اولاد کی تربیت محبت کی بنیاد پر کریں۔ "ارحمهما کما ربانی"۔

۲۳۔ انسان کو اپنے تربیت کرنے والوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ "ارحمهما کما ربانی"۔

۲۴۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸۳/اور سورہ نساء کی آیت ۳۶/سورہ انعام کی آیت ۱۵۱/اور سورہ اسراء کی آیت ۲۳/میں والدین کے ساتھ احسان کی تاکید ہوئی ہے، لیکن سورہ لقمان کی آیت ۱۴/میں والدین کے ساتھ نیکی و

احسان کو الٰہی وصیت قرار دیا گیا ہے: ''وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ۔۔۔''

جی ہاں، والدین کا احترام، انسانی حقوق میں سے ہے، اسلامی حقوق میں سے نہیں اور ان کے حقوق، ہمیشگی ہیں، وقتی حقوق میں سے نہیں۔

ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیکی و احسان ہر حال میں ضروری ہے، وہ اچھے ہوں یا بُرے۔ زندہ ہوں یا مر گئے ہوں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا گیا کہ آپ اپنی رضاعی بہن کا احترام اپنے رضاعی بھائی سے زیادہ کرتے ہیں، تو آپ سے اس کام کی وجہ دریافت کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چونکہ میری یہ بہن اپنے والدین کا بہت زیادہ احترام کرتی ہے۔(۵۴)

ہم قرآن کریم میں پڑھتے ہیں کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں کو حکم تھا کہ وہ اپنی والدہ کا احترام کریں۔(۵۵)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اول وقت نماز پڑھنے کے بعد والدین کے احترام سے کوئی چیز بہتر نہیں ہے۔(۵۶)

والدین کے معنی میں وسعت

اسلامی ثقافت میں آسمانی رہبر، استاد، تربیت کرنے والے اور سُسر کو بھی باپ کہا گیا ہے۔ بعض احادیث کی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام اس امت کے باپ ہیں۔ ''انا وعلی ابوا هذه الامة''، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی عربوں کے باپ شمار ہوتے ہیں۔ ''ملة ابیکم ابراهیم''۔

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے آخری دن تھے اور آپ بستر بیماری پر تھے تو آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: لوگوں کے درمیان جاؤ اور بلند آواز سے بیان کرو:

خدا کی لعنت ہو والدین کی طرف سے عاق کی گئی اولاد پر۔

خدا کی لعنت ہو اُس غلام پر جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔

خدا کی لعنت ہو اس شخص پر جو کسی مزدور کی مزدوری نہ دے۔

حضرت علی علیہ السلام لوگوں کے درمیان آئے اور یہ جملے بیان کر کے واپس ہو گئے۔ بعض اصحاب نے اس پیغام کو ایک سادہ پیغام قرار دیا اور سوال کیا: ہم نے والدین، آقا اور مزدور کے احترام کو پہلے بھی سنا ہے، یہ کوئی نیا پیغام نہیں تھا کہ جس کی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بستر بیماری سے ہمارے لئے یہ پیغام بھجوایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ ہوئے کہ لوگ میرے پیغام کی گہرائی تک نہیں پہنچے ہیں تو حضرت علی علیہ السلام کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا: دوبارہ لوگوں سے بیان کرو۔

عاق والدین سے میرا مقصد، آسمانی رہبر کے ذریعہ عاق ہونا ہے، یا علی! میں اور تم اس امت کے باپ ہیں اور جو شخص ہماری اطاعت نہیں کرے گا وہ عاق کر دیا جائے گا۔

میں اور آپ ان لوگوں کے مولا ہیں۔ اور جو شخص ہم سے دوری اختیار کرے گا اس پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔

میں اور آپ ان لوگوں کی ہدایت کے لئے اجیر ہوئے ہیں اور جو لوگ اجیر

کا حق نہیں دیتے، خدا اُن پر لعنت کرتا ہے۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ والدین کے ساتھ نیکی اور اطاعت کا ایک مشہور و معروف معنی ہے لیکن آپ نے اس واقعہ میں دیکھا کہ اسلامی ثقافت میں والدین کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ پھیلا ہوا ہے۔

❁❁❁❁❁

بارہواں درس

شکر اور شکر گزاری

شکر کی کیفیت

''وَ إِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ''۔[1]

''اور جب تمہارے پروردگار نے اعلان کیا کہ اگر تم ہمارا شکریہ ادا کرو گے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو ہمارا عذاب بھی بہت سخت ہے''۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: نعمت کا شکر، گناہوں سے پرہیز کرنا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: شکر، یہ ہے کہ انسان نعمتوں کو خدا کی طرف سے مانے (نہ کہ اپنی یا دوسروں کی چالاکی، علم و عقل اور جدّ و جہد کی وجہ سے) اور جو کچھ خداوند عالم نے اُسے دیا ہے اُس پر راضی رہے اور الٰہی نعمتوں کو گناہوں کا ذریعہ قرار نہ دے، حقیقی شکر یہ ہے کہ انسان، خدا کی نعمتوں کو خدا کے راستہ میں

---

[1]۔ سورہ ابراہیم، آیت ۷

استعمال کرے۔

خداوند عالم کی نعمتوں کے مقابلہ میں شکر، بہت ہی ناچیز اور نا قابل ذکر ہے۔ چنانچہ سعدی کہتے ہیں:

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش	عذر بہ درگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش	کس نتواند کہ بجا آورد

(اللہ کا حقیقی بندہ وہی ہے جو خدا کی بارگاہ میں اپنی خطاؤں پر توبہ کرے، ورنہ تو خدا کا حق تو کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا)

ہم حدیث میں پڑھتے ہیں کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ میرے شکر کا حق بجالاؤ، جناب موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ تو ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ ہر شکر کے لفظ پر دوسرا شکر لازم ہے۔ وحی ہوئی کہ تمہارا یہی اقرار اور اس بات کا جاننا کہ تمام چیزیں میری طرف سے ہیں؛ بہترین شکر ہے۔(۵۷)

لوگوں کا شکریہ ادا کرنا بھی خداوند عالم کا شکر ہے، جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے: جو شخص مخلوق کا شکریہ ادا نہ کرے، اس نے خالق کا شکر ادا نہیں کیا، ''**من لم یشکر المنعم من المخلوقین لم یشکر اللّٰہ**''(۵۸)

اگر خداوند عالم کی نعمتوں کو حق کی راہ کے علاوہ خرچ کیا جائے تو نعمتوں کی ناشکری اور کفر کا راستہ ہموار کرنا ہے۔ ''**لئن کفرتم**''، یا ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ''**بدّلوا نعمة اللّٰہ کفراً**''(۵۹) جن لوگوں نے نعمت خدا کو کفر سے بدل ڈالا۔

خداوند عالم کا شکر

خداوند عالم کو ہمارے شکر اور ہماری عبادت کی کوئی ضرورت نہیں ہے خداوند عالم نے بار بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''خدا تم سے بے نیاز ہے''۔(۶۰) لیکن اُس پر ہماری توجہ، خود ہماری ہی عزت و ترقی کا سبب ہے، جس طرح سورج کو ہماری کوئی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن ہم اپنے گھروں میں اس کے نور سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی ان کی شکر گزاری کے جذبہ کی مدح و ستائش کی ہے، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی زوجہ، اپنے بیٹے اور لوگوں کی بے وفائی پر صبر و استقامت سے کام لیا جس کی بنا پر خداوند عالم نے ان کے شکر کو یاد کیا اور ان کو شاکر کے نام سے یاد کیا: ''**کان عبداً شکورا**''۔(۶۱)

خداوند عالم نے اکثر لوگوں کی ناشکری کی شکایت کی ہے۔

البتہ خدا کے شکر کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا چاہئے، جیسا کہ حضرت سلیمان نے اللہ سے یہی درخواست کی ہے: ''**رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ**''۔(۶۲) (''**اوزعنی**'' یعنی مجھے اپنی نعمتوں کے شکر کا الہام اور عشق و محبت عطا فرما)۔ ہم زیادہ تر اُن نعمتوں پر توجہ کرتے ہیں جو ہمیں ہر روز یا عام طور پر ہم سے زیادہ متعلق ہوتی ہیں، اور بہت سی نعمتوں سے غافل رہتے ہیں۔ جیسے: جو چیزیں ہمارے بزرگوں اور مورثوں سے ہم تک پہنچی ہیں، یا ہر وقت ہم سے ہزاروں بلائیں دور ہوتی ہیں، یا معنوی نعمتیں جیسے خدا اور

اولیائے الٰہی پر ایمان، یا کفر وفسق اور گناہوں سے نفرت جیسی نعمتوں کو بھول جاتے ہیں، جن کے بارے میں خداوند عالم یوں فرماتا ہے:

''حبّب الیکم الایمان و زیّنہ فی قلوبکم و کرّہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان''۔(۶۳)

ہم نے جو کچھ بیان کیا اس کے علاوہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی دعاؤں میں الٰہی نعمتوں اور شکر وسپاس پر توجہ دلائی گئی ہے تاکہ انسان میں شکر گزاری کا جذبہ بیدار رہے اور اس میں استحکام آتا رہے۔

شکر الٰہی، کبھی زبان اور گفتگو سے ہوتا ہے اور کبھی عمل اور کردار سے۔

ہم ایک حدیث میں پڑھتے ہیں: جب بھی خداوند عالم کی نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کو یاد کرو تو اس کے شکرانہ میں زمین پر سجدہ کیا کرو، یہاں تک کہ اگر گھوڑے پر بھی سوار ہو تو اس سے اُتر جاؤ اور سجدہ شکر کرو، اور اگر گھوڑے سے نہیں اتر سکتے تو اپنی پیشانی کو زین کی بلندی پر رکھو اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو اپنی پیشانی کو ہتھیلی پر رکھو اور شکر خدا بجالاؤ۔(۶۴)

عملی شکر کے چند نمونے

۱۔نماز، شکر خدا کا بہترین نمونہ ہے۔خداوند عالم نے اپنے پیغمبر سے فرمایا: ہم نے تمہیں ''کوثر'' اور خیر کثیر عطا کیا ہے، لہٰذا اس کے شکرانہ میں نماز قائم کرو۔

''انا اعطیناک الکوثر فصّل لربّک و انحر''۔

۲۔روزہ، چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند عالم کی نعمتوں کے شکر میں روزہ رکھا کرتے تھے۔(۶۵)

۳۔لوگوں کی خدمت، قرآن کریم میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اگر کوئی جاہل انسان، کسی پڑھے لکھے سے کوئی چیز لکھنے کی درخواست کرے تو اُسے انکار نہیں کرنا چاہئے، اور علم کے شکرانہ میں اُس کا خط لکھ دینا چاہئے۔

''ولا یأب کاتب أن یکتب کما علّمه اللّٰہ''، (۶۶) اس حدیث میں لوگوں کی ایک خدمت کے عنوان سے ان کا خط لکھنا ایک طرح سے نعمت علم کا شکر قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ قناعت۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کن قَنِعاً تکن اشکر الناس''۔(۶۷) قانع رہو تا کہ سب سے زیادہ شکر کرنے والوں میں سے ہوجاؤ۔

۵۔ یتیم سے محبت کرنا۔ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر سے خطاب فرمایا: تم یتیم تھے ہم نے تمہیں پناہ دی، اس کے شکرانہ میں کسی یتیم کو دور نہ کرنا، ''فامّا الیتیم فلاتقھر''۔(۶۸)

۶۔ غریب اور نیازمندوں کی مدد۔ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر سے فرمایا: تم نیازمند تھے ہم نے تمہیں غنی بنایا، اس کے شکرانہ میں تم اپنے پاس آنے والے فقیر کو نہ جھڑکنا، ''امّا السائل فلاتنھر'' (۶۹)

۷۔ لوگوں کا شکریہ ادا کرنا۔ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر سے خطاب فرمایا: زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے شکریہ اور ان کی ترغیب کے لئے ان پر درود وسلام بھیجو، کیونکہ تمہارا درود وسلام، ان کے لئے چین وسکون کا سبب ہوگا۔

''وصلی علیھم ان صلاتک سکن لھم''۔(۷۰)

پریشانیوں پر شکر

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ''**عسیٰ أن تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم و عسی أن تحبّوا شیئاً و ھو شرّ لکم**'' (۱۷) بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنھیں تم پسند نہیں کرتے لیکن حقیقت میں وہ تمہارے لئے مفید ہیں، اور بہت ایسی چیزیں ہیں جنھیں تم پسند کرتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ دوسروں کی مشکلات ہم سے زیادہ ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات میں خداوند عالم پر زیادہ توجہ ہوتی ہے۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات، ہمارے غرور کو توڑ دیتی ہیں اور ہماری سنگدلی کا خاتمہ کردیتی ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات، ہمیں پریشانیوں میں مبتلا لوگوں کی یاد دلاتی ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات، ہمیں دفاع اور ایجاد کی نئی فکر پیدا کرتی ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات، گزشتہ کی نعمتوں کی اہمیت کی یاددہانی کراتی ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات، گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات، اُخروی جزا ملنے کا سبب بنتی ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات، قیامت کی طرف متوجہ کرنے کی گھنٹی

ہوتی ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ مشکلات، ہمارے صبر کی پہچان یا حقیقی دوستوں کی پہچان کا سبب ہیں۔

اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ ہمارے لئے اس سے زیادہ سخت حالات اور بڑی مصیبت پیش آ سکتی تھی تو ہمارے لئے اس مصیبت کی ظاہری سختیاں بھی شیریں ہوجائیں گی۔

جی ہاں، جس طرح ایک بچے کے لئے کھجور، میٹھی اور پیاز اور مرچ ناپسند ہوتی ہیں لیکن تجربہ کار والدین، بچے کے لئے دونوں چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے جنگ اُحد میں فرمایا: جنگ میں شرکت کرنے پر، اس کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔(۷۲) اور آپ کی بیٹی جناب زینب سلام اللہ علیہا نے بنی امیہ کے ظلم وستم کے مقابلہ میں فرمایا: ''ہم نے کربلا میں خوبصورتی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔''مارائت الّا جمیلاً''(۷۳)

❁❁❁❁❁

تیرہواں درس

خدا کی طرف سے معین شدہ کارندے

حیوانات کا خدا کی طرف سے کارندے ہونا

"فَلَمَّا قَضَيْنا عَلَيْهِ الْمَوْتَ ما دَلَّهُمْ عَلى مَوْتِهِ إِلاَّ دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ ما لَبِثُوا فِي الْعَذابِ الْمُهِينِ"۔[1]

"پھر جب ہم نے ان کی موت کا فیصلہ کر دیا تو ان کی موت کی خبر بھی جنات کو کسی نے نہ بتائی سوائے دیمک کے جو اُن کے عصا کو کھا رہی تھی اور وہ خاک پر گرے تو جنات کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلیل کرنے والے عذاب (سخت کام) میں مبتلا نہ رہتے"۔

قرآن کریم میں بار بار حیوانوں کی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ ہوا ہے، جیسے:

۱۔ (بنی اسرائیل کی) گائے کا ایک حصہ مقتول کو زندہ کر دیتا ہے تا کہ وہ

---

[1]۔ سورہ سبأ، آیت ۱۴

اپنے قاتل کے بارے میں بتا سکے۔''انّ اللّٰہ یأمر أن تذبحوا بقرة''(۷۴)

۲۔مکڑی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غار میں حفاظت کی۔''الّا تنتصروہ فقد نصرہ اللّٰہ''۔(۷۵)

۳۔کوّا، انسان کا استاد بنا۔''فَبعثہ اللّٰہ غُرابا''۔(۷۶)

۴۔ ہدہد نے سرزمین سبا میں ملکہ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچایا۔''اذھب بکتابی ھذا''۔(۷۷)

۵۔ ابابیل، ہاتھی سوار دشمن کو کچلنے کے لئے ذمہ دار بنایا گیا۔''و أرسلَ علیھم طیراً ابابیل''۔(۷۸)

۶۔ اژدہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت ثابت کرنے کا وسیلہ قرار پایا۔''ھی ثعبان مبین''۔(۷۹)

۷۔مچھلی، حضرت یونس کی تنبیہ کا ذریعہ قرار پائی۔''فالتقمہ الحوت''(۸۰)

۸۔ چیونٹی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا پتہ چلانے کا ذریعہ بنیں ''دابّة الارض تأکل منسأتہ''۔(۸۱)

۹۔ اصحاب کہف کا کتا، ان کی حفاظت کے لئے مقرر ہوا۔''و کلبھم باسط ذراعیہ والوصید''۔(۸۲)

۱۰۔ چار پرندہ (مور، کبوتر، مرغ اور کوّا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اطمینان کے سبب قرار پائے۔''فخذ اربعة من الطیر''۔(۸۳)

۱۱۔گدھا، حضرت عُزیر کے قیامت پر یقین کا سبب قرار پایا۔
''و انظر الی حمارک''۔(۸۴)

۱۲۔ حج میں اونٹ، گائیں اور گوسفند، الٰہی شعائر میں قرار پائے۔ ''والبُدن جعلناها لکم من شعائر اللّٰه''۔(۸۵)

۱۳۔ اونٹ، خدا کی شناخت کا ذریعہ قرار پایا، ''افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت''۔(۸۶)

۱۴۔ جانور، انسان کے امتحان کا ذریعہ قرار پایا۔ ''تناله ایدیکم و رماحکم''۔(۸۷)

۱۵۔ جانور، خدا کا معجزہ ہے۔ ''هذهٖ ناقة اللّٰه''۔(۸۸)

۱۶۔ جانور، خداوند عالم کے قہر و غضب اور عذاب کا وسیلہ قرار پایا۔ ''الجراد، و القمل و الضفادع''۔

❁❁❁❁❁

چوہواں درس

اسلام میں مقدسات

مقدسات کا احترام

''یا أَیُّهَا الَّذینَ آمَنُوا لا تَرْفَعُوا أَصْواتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمالُکُمْ وَ أَنْتُمْ لا تَشْعُرُونَ''۔[1]

''ایمان والو! خبردار (پیغمبر سے گفتگو کرتے ہوئے) اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرنا اور ان سے اس طرح بلند آواز میں بات بھی نہ کرنا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ (اس بے ادبی کے سبب) تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو''۔

پوری دنیا میں مختلف عقائد کے باوجود اپنے بزرگوں کا خاص احترام کیا جاتا ہے۔ ان کے ناموں پر شہروں، سڑکوں، یونیورسٹیوں، ائرپوٹوں، مدرسوں اور اداروں کا نام رکھا جاتا ہے۔ اسلام میں بھی بہت سے افراد کا نام یہاں تک کہ بعض گھاسوں اور جمادات کا نام مقدس قرار دیا گیا ہے۔

---

[1]۔ سورہ حجرات، آیت ۲

اسلام میں ہر چیز کی قداست اور کرامت کی بنیاد، اس کا خداوندعالم کی ذات سے تعلق رکھنا ہے اور یہ تعلق جتنا زیادہ ہوگا، اسی مقدار میں قداست پیدا ہوگی اور ہمیں چاہئے کہ اُس کا خاص احترام کریں، لیکن مقدسات یہ ہیں:

۱۔ خداوندعالم، قداست کا سرچشمہ ہے، جو مشرکین دوسروں کو خدا کے برابر قرار دیتے تھے وہ قیامت کے دن اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے، اور اپنے خیالی معبودوں سے کہیں گے: ہماری بدبختی کا راز یہ ہے کہ ہم تمہیں ربّ العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔''اذنسوّیکم بربّ العالمین''۔(۹۰)

قرآن کریم میں خداوندعالم کی تسبیح وتقدیس کی گفتگو مکرر بیان ہوئی ہے، یعنی ہم خداوندعالم کے لئے ایسے احترام وقداست کے قائل ہوں جس میں کسی طرح کا نقص وعیب نہ پایا جاتا ہو، نہ صرف یہ کہ اس کی ذات بلکہ اس کے نام بھی پاکیزہ اور مقدس ہیں۔''سبّح اسم ربّک الاعلی''۔(۹۱)

۲۔ کتاب خدا (قرآن کریم) بھی بہت مقدس ہے۔ اور خداوندعالم قرآن کو عظیم قرار دیتا ہے۔(۹۲) لہٰذا ہمیں بھی اس کی تعظیم کرنی چاہئے، جب خداوندعالم، قرآن کو کریم (۹۳) جانتا ہے تو ہمیں بھی اس کی تکریم کرنی چاہئے۔ اور چونکہ وہ قرآن کو مجید (۹۴) جانتا ہے، ہمیں بھی قرآن کریم کی تمجید کرنا چاہئے۔

۳۔ الٰہی رہبر، تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے برحق جانشین، مخصوصاً حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کا ایک مخصوص رُتبہ ہے اور اس سورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب کا ایک حصہ

بیان ہوا ہے:

ان سے آگے نہ چلیں، ان کی آواز سے زیادہ اپنی آواز بلند نہ کریں۔ اسی طرح دیگر آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۹۵)

البتہ اس نکتہ پر توجہ رہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ کی زیارت، آپ کے جانشینوں اور آپ کی ذریت اور آپ سے کسی نہ کسی طرح سے نسبت رکھنے والے مخصوصاً اُن علمائے ربّانی، فقہائے عادل اور مراجع تقلید کا احترام ہم پر لازم وضروری ہے جو کہ روایات کے مطابق آنحضرت کے جانشین ہیں۔ جیسا کہ ہم حدیث میں پڑھتے ہیں: ''جو شخص کسی عادل فقیہ کی بات کو ردّ کرے، گویا اس نے اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کی بات کو ردّ کیا اور جس شخص نے ان کی باتوں کو ردّ کیا، گویا اُس نے خدا کی باتوں کو ردّ کیا ہے''۔(۹۶)

نہ صرف انبیاء علیہم السلام مقدس ہیں بلکہ اُن سے متعلق چیزیں بھی مقدس و محترم ہیں۔ جیسا کہ ہم قرآن کریم میں پڑھتے ہیں: وہ صندوق جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہونے کے بعد رکھ کر دریا میں ڈال دیا گیا تھا اور بعد میں اس کے اندر خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آل موسیٰ کی یادگاریں رکھی گئی تھیں، وہ اتنا مقدس تھا کہ فرشتے اُسے اٹھایا کرتے تھے اور وہ دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی کا سبب بنتا تھا۔(۹۷)

۴۔ اسلام میں، والدین بھی بہت زیادہ مقدس اور مکرم ہیں، قرآن کریم میں پانچ مرتبہ یکتا پرستی کی دعوت کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی و احسان کا

تذکرہ ہوا ہے اور خداوند عالم کے شکر کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کرنے کی تاکید ہوئی ہے۔(۹۸)

والدین کا احترام اس حد تک ہے کہ ماں باپ پر محبت بھری نگاہ کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کریں۔ اور ان کی تکلیف پہچانے والا سفر حرام ہے اور اس سفر میں نماز پوری پڑھنا ہوگی (قصر نہیں)۔

۵۔ اسلام میں بعض زمانے، جیسے شب قدر، بعض مقامات جیسے مسجد، بعض پتھر جیسے حجرۃ الاسود، بعض پانی جیسے آب زمرم، بعض زمین جیسے تربت امام حسین علیہ السلام کی مٹی اور بعض لباس جیسے لباس احرام مقدس شمار ہوئے ہیں اور اسلام ان کے لئے خاص احترام کا قائل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس کے احترام میں اپنے جوتے اتار دئے۔

إِنِّی أَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ إِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُویً"(۹۹)

مسجد الحرام ایک ایسا مقدس مقام ہے جہاں پر مشرک جانے کا حق نہیں رکھتا۔"انّما المشرکون نجس فلایقربوا المسجد الحرام"۔(۱۰۰)

عبادت کے مقامات اور مسجدیں مقدس ہیں اور مسجد میں جاتے وقت پاکیزگی اور صفائی کا خیال رہے۔"خُذوا زینَتکم عند کلّ مسجد"(۱۰۱) اور مجنب اور ناپاک شخص، مسجد میں توقف کا حق نہیں رکھتا۔"و لا جُنباً الّا عابری سبیل"(۱۰۲)

مسجد اتنی محترم ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت زکریا اور

جناب مریم (علیہم السلام) کو اسے پاک کرنے کے ذمہ داری دی گئی۔ ''طَهِّرا بیتی'' (۱۰۳)

یہاں تک کہ مادر مریم جو یہ سوچ رہی تھی کہ ان کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا تو اسے مسجد الاقصی کا خادم قرار دوں گی۔ ''اِنی نذرتُ لک ما فی بطنی محرراً'' (۱۰۴)

۶۔ ایک مومن انسان بھی صاحب قداست و کرامت ہے، یہاں تک مومن کی آبرو، خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے، اور اُسے تکلیف پہچانا اور اس کی غیبت کرنا، حرام ہے اور اس کے حق کا دفاع واجب ہے یہاں تک کہ مرنے کے بعد اور اُسے قبر میں دفن کرنے کے بعد اس کی قبر کو کھولنا حرام ہے۔

پیغمبر کی توہین پر خداوند عالم کا دفاع

''إِنَّا أَعْطَيْناکَ الْكَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ۔ إِنَّ شانِئَکَ هُوَ الْأَبْتَرُ''۔[1]

''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔ لہٰذا آپ اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔ یقیناً آپ کا دشمن بے اولاد رہے گا''۔

دین اور دینی مقدسات پر حملہ جتنا سخت ہوگا، دفاع بھی اتنا ہی سخت ہوگا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں بہت ساری جسارتیں کی گئی، آپ کو جادوگر، کاہن، شاعر اور مجنون کہا گیا، لیکن قرآن مجید میں ان کا کسی نہ کسی طرح جواب دیا؛ پیغمبر کو مجنون کہا گیا، ''انک لمجنون''، لیکن خداوند عالم نے جواب دیا: ''ما انتَ بنعمة ربّک بمجنون''، خدا کے لطف سے آپ مجنون نہیں ہیں۔

---

[1] ۔ سورہ کوثر، آیت ۱ تا ۳

آپ کو کہا گیا کہ تم خدا کی طرف سے رسول نہیں ہو، ''**لستَ مُرسلاً**''، تو خداوندعالم کی طرف سے جواب آیا: ''**انّک لمن المرسلین**''، یقیناً آپ خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف شاعری اور خیال پردازی کی نسبت دی گئی: ''**لشاعر مجنون**''، تو خداوندعالم نے فرمایا: ''**وما علّمناہ الشعر و ماینبغی لہ**''، ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے اور نہ ہی وہ آپ کے لئے سزاوار ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتر (نسل بُریدہ) کہا گیا، تو خداوندعالم نے فرمایا: ''**انّ شانئک ھو الابتر**''۔

جی ہاں اگر کوئی اشرف المخلوقات کو ابتر کہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوندعالم اپنے پیغمبر کو کوثر عطا کرتا ہے، جس نے سب کی آنکھوں کو خیرہ اور اور عقلوں کو مبہوت کر دیا ہے۔

سورہ کوثر کی آخری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ''**ان شانئک ھو الابتر**''، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوثر سے مراد، ابتر کی ضد ہے اور چونکہ جن کے کوئی بیٹا نہیں ہوتا تھا یا اُس کے مرنے کے بعد ایسے شخص کو ابتر کہتے تھے، تو کوثر کا بہترین مصداق، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت ہے اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نسل سے حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔

البتہ کوثر کے عام معنی بھی ہیں جو ہر طرح کے خیر کثیر پر مشتمل ہے، لیکن ہر کثرت، کوثر نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے: ''مخالفین کی اولاد اور ان کا مال و دولت تمہیں تعجب میں نہ ڈالے، کیونکہ خداوندعالم نے ارادہ

کیا ہے کہ ان پر اولاد اور مال و دولت کے ذریعہ عذاب کرے''۔(۱۰۵)

فتح مکہ میں مشرکین مکہ، جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے تو خداوند عالم نے صرف تسبیح کرنے کا حکم دیا: ''**رائتَ الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً فسبح**'' لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوثر عطا کرنے پر فرمایا: ''**فصل لربّک**''، آپ نماز پڑھیں، گویا کوثر کی اہمیت، مشرکین کے ایمان لانے سے زیادہ ہے۔

❁❁❁❁❁

پندرہواں درس

ہجرت

دینی شناخت کے لئے ہجرت

وَما کانَ الْمُؤْمِنُونَ لِیَنْفِرُوا کَافَّةً فَلَوْ لا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طائِفَةٌ لِیَتَفَقَّهُوا فِی الدِّینِ وَ لِیُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذا رَجَعُوا إِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُونَ"۔[1]

''صاحبان ایمان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب کے سب جہاد کے لئے نکل پڑیں تو ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ دین کا علم حاصل کرے اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں''۔

دین میں تفقہ کے معنی دین وعقائد اور اسلامی احکام کی گہری شناخت حاصل کرنے کے لئے جدّ و جہد کرنا ہے۔ دین میں تفقہ، کبھی کبھی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ انسان دنیا اور درس و بحث سے زیادہ لگاؤ رکھتا ہو، اور اپنے دوستوں سے پیچھے نہ رہ جانے کے لئے ہوتی ہے، اور کبھی کبھی ممکن ہے کہ دین اور بہشت

---

[1]۔سورہ توبہ، آیت ۱۲۲

اور امت کی نجات کے لئے ہوتی ہے۔ ''لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُم''۔

جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''تفقه فی الدین، فانّ الفقهاء ورثة الانبیاء''۔(۱۰۶) حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشورہ، خداوند عالم کی اِن الفاظ میں حمد وثنا کی: ''خداوند عالم کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں دین میں فقیہ قرار دیا''۔(۱۰۷)

حضرت امام صادق علیہ السلام سے سوال ہوا: ''اگر امام کے لئے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اس صورت میں عوام کی کیا ذمہ داری ہے؟ تو امام علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ ہر شہر اور قبیلہ سے امام کی شناخت کے لئے نکلنا ضروری ہے۔(۱۰۸)

ہر علاقہ سے کچھ لوگ اسلام کی شناخت اور دینی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے علمی مرکزوں کی طرف جائیں اور پھر اپنے علاقہ میں واپس جائیں تا کہ ہر علاقہ میں کافی مقدار میں اہل علم موجود ہوں۔ جی ہاں، ایمان کے لئے ہجرت، ضروری ہے۔ یا تو دین کے دفاع کے لئے ہجرت کریں یا دین کی شناخت کے لئے۔ اس بنا پر دین میں تفقہ اور پھر عام لوگوں مخصوصاً اپنے وطن کے عوام کو تعلیم دینا واجب کفائی ہے لہٰذا حوزات علمیہ کے طلاب کے لئے دو ہجرتیں ضروری ہیں: ایک حوزات علمیہ کی طرف اور دوسری حوزوں سے دیگر شہروں کی طرف۔ لہٰذا حوزوں میں اساتید کے علاوہ دیگر طلاب کا باقی رہنا جائز نہیں ہے۔

البتہ فقہ، صرف دین کے احکام کی تعلیمات حاصل کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ تمام دینی معارف میں تحقیق، دقت اور گہری نظر کی ضرورت ہے۔

''لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ''۔

دین میں تفقہ کی اس وقت اہمیت ظاہر ہوتی ہے کہ فقیہ، اپنے زمانہ سے آ گاہ، دشمن کے نفوذ اور اس کی شیطنت سے واقف ہو، تا کہ وہ عوام کو خطرہ سے آ گاہ کرتا رہے۔لہٰذا ایک اسلام کے ماہر فقیہ کی باتوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ''لِيَتَفَقَّهُوا۔۔۔وَ لِيُنذِرُوا''۔

(ممکن ہے کہ علاقہ میں ایک ہی عالم ہو تو اس صورت میں خبر واحد، حجت قرار پاتی ہے)

علماء کو عوام کے درمیان جانا چاہئے، اور ان کی طرف سے دعوت دئے جانے کے منتظر نہ رہیں۔''رَجَعُوا إِلَيهِم''۔اور عوام کی طرف سے ہر بات پر اطاعت کی امید نہیں رکھنا چاہیے چونکہ ایک گروہ تو کبھی بھی دین اور اللہ کے راستہ پر نہیں آئے گا۔''لَعَلَّهُمْ يَحذَرُونَ''۔

پیغمبر اکرم کی تاریخی ہجرت

''إِنَّ الَّذينَ آمَنُوا وَ هاجَرُوا وَ جاهَدُوا بِأَموالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ في سَبيلِ اللّهِ وَ الَّذينَ آوَوْا وَ نَصَرُوا أُولئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِياءُ بَعْضٍ وَ الَّذينَ آمَنُوا وَ لَمْ يُهاجِرُوا ما لَكُمْ مِنْ وَلايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهاجِرُوا''۔[۱]

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اور جن لوگوں نے ایمان اختیار کر کے ہجرت نہیں کی ان کی ولایت سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔۔۔''۔

بعثت کے تیرہویں سال اور علی الاعلان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اسلام

۱۔سورہ انفال، آیت ۷۲

کی دعوت کے بعد بھی مشرکین مکّہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو آزار واذیت دیا کرتے تھے اور ہر روز اس میں اضافہ ہوتا جارہا تھا یہاں تک کہ طے یہ کیا گیا کہ ایک منظم سازش کے تحت سب ساتھ میں مل کر پیغمبر کو قتل کر ڈالیں اور اسلام کی بنیاد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

جیسے ہی اس سازش سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو حضرت علی علیہ السلام کی جانفشانی کے ذریعہ راتوں رات، ہجرت رسول کے مقدمات فراہم ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع الاول کی ابتداء میں تین دن تک غار ثور میں رہے اور وہاں معجزہ نما طریقہ سے مخفی ہو گئے اور اس مدت میں صرف حضرت علی علیہ السلام کھانا پینے کا سامان پہنچاتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر کی خبروں سے مطلع کرتے رہے۔ اور آخر کار، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو تمام مسلمانوں کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے اور اپنے اہل بیت کو ساتھ لانے کا حکم دے کر خود مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور تقریباً ۴۰۰ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول کو محلہ قبا میں پہنچے اور اس کے بعد باقی تمام مہاجرین بھی مدینہ پہنچ گئے۔

یثرب کے لوگوں نے مہاجرین کا بہت شاندار استقبال کیا اور ان کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا، اس کے بعد سے ''یثرب'' کو ''مدینۃ النبی'' اور ''مدینۃ الرسول'' کہا جانے لگا۔ اس موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان تفرقہ سے روک تھام کے لئے دو دو لوگوں کے درمیان عقد اخوت اور بھائی چارگی کا عہد و پیمان بندھوایا اور وہیں پر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور پھر وہ مسجد تعمیر کی

گئی۔

مہاجرین وہ لوگ تھے جو مکہ میں پیغمبر خدا پر ایمان لائے تھے اور چونکہ اُن پر ہر طرح سے دباؤ تھا جس کی بنا پر وہ اپنے مکانات اور جائیداد کو چھوڑ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے آئے تھے اور انصار، مدینہ میں رہنے والے مسلمان تھے جنھوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین کو اپنے یہاں جگہ دی اور ان کی ہر ممکن مدد کی۔

عام طور پر ملتیں، اپنی اجتماعی، علمی اور مذہبی حیات میں رونما ہونے والے واقعہ کو اپنی قومی زندگی کے لئے ایک اہم موڑ قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ اُسے اپنی تاریخ کی ابتدا قرار دیتے ہیں، جیسے عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی ولادت کی تاریخ اور عربوں کے نزدیک عام الفیل (جس سال ابرہہ کے لشکر نے مکہ پر حملہ کیا تھا) کو سال کی ابتداء قرار دیا۔

اور چونکہ دین اسلام، آسمانی شریعتوں میں سب سے کامل ہے حالانکہ دیگر آسمانی ادیان سے مستقل ہے، لہٰذا مسلمانوں نے حضرت عیسیٰ مسیح کی ولادت سے اپنے سال کا آغاز نہیں کیا، اسی طرح عام الفیل کو بھی اپنے سال کی شروعات قرار نہیں دیا، جبکہ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بھی ہوئی تھی، یہاں تک کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا دن بھی مسلمانوں کے سال کا آغاز قرار نہ پایا، لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد جب وہاں پر ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالی گئی اور مسلمان وہاں پر آزادانہ طور پر اپنی کارکردگی میں مشغول رہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاریخ ہجری کی بنیاد ڈالی۔ جیسا کہ آیہ

شریفہ ''لمسجد أسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیه'' (۱۰۹) جو کہ مسجد قبا کی تعمیر کے سلسلہ میں ہے، اس میں ''من اول یوم'' کا فقرہ ہجری سال کی بنیاد کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پہلے ہی دن مسجد قبا کی بنیاد رکھے جانے کا دن تھا۔ جی ہاں اگر ہجرت نہ ہوتی تو ہوسکتا ہے کہ اسلام اسی علاقہ میں محدود یا نابود ہوجاتا۔

البتہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دو ہجرتیں ہوئیں، ایک تو بعثت کے پانچویں سال، بعض مسلمانوں کی سرزمین حبشہ کی طرف اور دوسری بعثت کے تیرہویں سال مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت۔

ہجرت کے آثار و برکتیں

زیادہ تر بلائیں ہمارے رفاہ اور آسائش میں غرق ہونے اور مفید ہجرتوں کے ترک کرنے کی وجہ سے آتی ہیں۔ اگر اگر مغربی ممالک سے تمام مسلمان مفکر ذہن، اسپشلسٹ اور ماہرین اپنے اپنے ممالک کی طرف ہجرت کریں تو ایک تو دشمن پر کاری ضرب لگے گی، دوسرے اسلام اور اسلامی ممالک کے استحکام کا سبب ہوگا۔

ہجرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ شرک، کفر اور گناہ کے ماحول سے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے یا خداوند عالم کی نافرمانی سے بچنے کے لئے ہجرت لازم اور ضروری ہے، جیسا کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کے جواب میں جو کہ اپنے گناہوں میں مبتلا ہونے کا عذر، غلط ماحول کو قرار دیتے تھے اور کہتے تھے: ''کنّا مستضعفین فی الارض''؛ ہم تو زمین پر بہت کمزور

تھے)؛ ارشاد فرمایا: خدا کی زمین تو بہت وسیع تھی تم نے اس جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کیوں نہ کی؟ ''قالوا الم تکن ارض اللّٰہ واسعة''۔(۱۱۰) البتہ لفظ ''مستضعفین'' سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ممکن ہو تو اسے انجام دینا چاہئے اور معاشرہ کو اس کے حال پر نہیں چھوڑنا چاہئے اور اس کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جس سرزمین پر تم زندگی کرتے ہو اور وہاں پر خدا کی نافرمانی اور اس کی معصیت کا بازار گرم ہو تو وہاں سے دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ۔

''اذا عصی اللّٰہ فی ارض انت فیها، فاخرج منها الی غیرها''۔(۱۱۱)

چنانچہ علم حاصل کرنے اور دوسروں تک اپنے علم کو پہنچانے کے لئے ہجرت بھی ضروری ہے۔(۱۱۲)

❁❁❁❁❁

سولہواں درس

تفسیر سورہ قدر

شب قدر

''إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ۔ سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ''۔[1]

''بے شک ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور آپ کیا جانیں یہ شب قدر کیا چیز ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں ملائکہ اور روح القدس، اذن خدا کے ساتھ تمام امور کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔ یہ رات طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے''۔

قرآن مجید میں لفظ ''قدر'' کئی معنی میں استعمال ہوا ہے:

الف) مقام و منزلت۔ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ''۔ جیسا کہ خداوند عالم کے مقام و عظمت کو پہچاننا چاہئے تھا نہیں

---

[1] ۔ سورہ قدر، آیت ۱ تا ۵

پہچانا۔

ب) تقدیر۔ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''و مَن قُدِرَ علَیه رِزْقُه''؛ یعنی جس کی روزی اور رزق تنگ اور سخت ہو جائے۔

''لیلۃ القدر'' کے سلسلہ میں پہلے کے معنی دو مناسب ہیں، کیونکہ شب قدر ایک باعظمت رات بھی ہے اور تقدیر ساز بھی۔

خداوند عالم شب قدر میں سال بھر کے تمام امور کو مقرر فرماتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''فیها یفرق کل امر حکیم'' (۱۱۳) اس بنا پر شب قدر، صرف قرآن کے نازل ہونے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر ماہِ رمضان میں شب قدر ہوتی ہے جس میں بعد والی شب قدر تک کے سال بھر کے امور مقرر ہوتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے شب قدر میں جاگنے، اور رات بھر دعائیں کرنے، نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کی تاکید ہوئی ہے اور تین شب قدروں کے درمیان تیئسویں شب قدر کے بارے میں زیادہ تاکید ہوئی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا: ہم مدینہ سے دور ایک مقام پر رہتے ہیں، آپ (شب قدر کی) ایک رات معین کر دیں تاکہ ہم شہر (مدینہ) آجایا کریں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تیئسویں شب میں مدینہ آجایا کرو''۔ (۱۱۴)

حضرت امام صادق علیہ السلام بیمار تھے تو آپ نے تیئسویں شب میں مسجد لے جانے کے لئے کہا اور آپ بیماری کے عالم میں مسجد میں تشریف لائے۔ اسی

طرح حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اِس رات، بچوں کے چہروں پر پانی چھڑک کر انھیں سونے نہیں دیا کرتی تھیں۔(۱۱۶)

روایات میں بیان ہوا ہے: ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بستر کو لپیٹ کر رکھ دیا کرتے تھے اور دسوں راتوں میں رات بھر شب بیداری کیا کرتے تھے۔(۱۱۷)

ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک طولانی حدیث میں پڑھتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم کی بارگاہ میں عرض کیا: میں تجھ سے مقام قربت کی درخواست کرتا ہوں، تو جواب آیا: ''قربیٰ لمَن استَیقظَ لیلةَ القَدْر''؛ میرا قرب، شب قدر کی بیداری میں ہے۔

عرض کیا: پروردگارا! میں تیری رحمت کا طلبگار ہوں۔

جواب آیا: ''رَحمتِی لِمَن رحمَ المَسَاکِینَ لیلَةَ القَدرِ''؛ میری رحمت، شب قدر میں مسکینوں اور غریبوں پر رحم کرنے میں ہے۔

عرض کیا: میں پُل صراط سے گزرنے کا پروانہ چاہتا ہوں تو جواب آیا: ''ذَلک لِمَن تَصدّقَ بِصَدقةٍ لیلَةَ القدر''؛ پُل صراط سے گزرنے کا راز شب قدر میں صدقہ دینے میں ہے۔

عرض کیا: خداوندا! میں بہشت اور اس کی نعمتوں کی درخواست کرتا ہوں جواب آیا: ''ذَلک لِمَن سبّح تسبیحَه فِی لیلة القدر''؛ یہ سب کچھ شب قدر میں تسبیح کرنے میں ہے۔

عرض کیا: پروردگارا! میں آتش جہنم سے نجات کی درخواست کرتا ہوں،

جواب آیا: ''ذَلک لِمَن استغفر فِی لیلۃِ القدر''؛ دوزخ سے نجات کا راز، شب قدر میں استغفار کرنا ہے۔

آخر میں کہا: خدایا! میں تیری رضا کا طلبگار ہوں، آواز آئی: ''رَضایِ لِمَن صلی رکعتین فِی لیلۃ القدر''؛ شب قدر میں دو رکعت نماز پڑھنے والوں کو میری رضا حاصل ہو جاتی ہے۔(۱۱۸)

تاریخ کا ایک عجیب واقعہ، شب قدر میں محراب عبادت اور نماز کے وقت حضرت علی علیہ السلام کے سر مبارک پر ضربت لگنا بھی ہے، جی ہاں، مخلوق خدا میں سب سے اشرف ذات، سب سے زیادہ شریف مقام پر، سب سے زیادہ شریف زمانہ میں اور سب سے زیادہ اشرف حالت میں شہید ہوئی ہے۔

شب قدر کی مدت، پورے ۲۴ گھنٹے ہیں اور اس سے مراد کسی خاص مقام جیسے مکہ و مدینہ کی ۸ / گھنٹے کی رات نہیں ہے، جس طرح عید فطر کا دن پورے ۲۴ / گھنٹے پر مشتمل ہے، جس میں تمام علاقے شامل ہو جاتے ہیں۔

انسان کی شب تقدیر اور نزول قرآن کی شب کا ایک ہونا شاید اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ انسان کی تقدیر، قرآن کریم سے وابستہ ہے کہ اگر ہم قرآن کریم سے وابستہ ہوں تو ہمیں سعادت و خوشبختی نصیب ہوگی اور اگر کوئی قرآن کریم سے دور ہو تو اُس کی تقدیر میں شقاوت اور بدبختی لکھی جاتی ہے۔

جناب ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: کیا گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں بھی شب قدر تھی اور اُن پر امر نازل ہوتا تھا اور جب وہ دنیا سے چلے جاتے تھے تو اُس شب میں نزول امر نازل نہیں ہوتا

تھا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شب قدر (ہمیشہ سے ہے اور) قیامت تک رہے گی۔

شاید شب قدر کے پوشیدہ ہونے کا راز یہ ہو کہ عوام تینوں شبوں میں عبادت کریں، جو شخص ایک شب قدر میں عبادت کرے وہ اس پر مغرور نہ ہو اور جس شخص سے اس شب کی عبادت چھوٹ گئی ہو وہ دوسری شبوں کی عبادت سے مایوس نہ ہو۔

روایات میں بیان ہوا ہے کہ شب قدر میں نیک کام، شب قدر کے علاوہ ہزار مہینوں کے نیک کام سے بہتر ہے۔(۱۱۹)

شب قدر میں تقدیر کا لکھا جانا، فرشتوں کے نزول کی صورت میں ہوتا ہے: ''تَنَزَّلُ الْمَلائِکَةُ۔۔۔مِنْ کُلِّ أَمْرٍ''۔

اس سورہ میں ''سلام'' سے مراد، شب قدر میں خداوند عالم کا خاص لطف و کرم ہے جس کے ساتھ سلامتی، رحمت اور برکت بھی ہوتی ہے اور بدبختی اور عذاب کا راستہ بند ہوتا ہے، کیونکہ اس میں شیطان کے وسوسے اور چالا کی موثر نہیں ہوتی۔ شب قدر میں فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور عبادت میں مشغول ہر مرد و عورت کو سلام کرتے ہیں جیسا کہ قیامت کے دن بھی اہل بہشت کا ''سلام'' کے ذریعہ استقبال ہوگا: ''سَلامٌ عَلَیکُم طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِینَ''۔

قرآن کریم میں فرشتوں کے امتیازات

۱۔ فرشتے، خداوند عالم کے گرامی بندے ہیں۔ ''بل عباد مکرمون''۔

۲۔ معصوم اور اطاعت گزار ہیں۔

"لا یعصون اللّٰہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون"۔

۳۔ مختلف امور کی تدبیریں انھیں کی ذمہ ہیں:
"فالمدبرات امراً"، "فالمقسمات امراً"۔

۴۔ انسانوں کے الفاظ اور گفتگو پر ناظر رہتے ہیں: "ما یلفظ من قول"۔

۵۔ دنیا والوں کے اعمال کو لکھتے ہیں: "و رسلنا لدیھم یکتبون"۔

۶۔ جنگ اور جہاد کرنے والے لشکر کو بشارت دیتے ہیں: "بجنود لم تروھا"؛ دعا کے قبول ہونے اور صاحب اولاد ہونے کی خوشخبری دیتے ہیں: "انّا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ"، اور مومنین کو آخری وقت میں بشارت دیتے ہیں: "الا تخافوا و لا تحزنوا"۔

۷۔ مجرموں پر عذاب کرنے کے ذمہ دار ہیں:
"لمّا جائت رسلنا لوطاً سیء بھم"۔

۸۔ انسانوں کے محافظ ہیں: "یُرسل علیکم حفظہ"۔

۹۔ مومنین کے لئے دعا کرنے والے اور ان کی مغفرت کی درخواست کرنے والے ہیں: "و یستغفرون للذین آمنوا"۔

۱۰۔ فرشتے، شفاعت کرنے والے ہیں:
"و کم من ملک فی السموات لا تغنی شفاعتھم شیئاً الا من بعد ان یاذن اللّٰہ لمن یشاء و یرضی"۔

۱۱۔ کفار پر لعنت کرنے والے ہیں:
"أولئک علیھم لعنۃ اللّٰہ و ملائکۃ و النّاس"۔

۱۲۔ جنگی مورچوں پر مدد کرنے والے ہیں:
"ان تصبروا و تتقوا۔۔۔ یمددکم بخمسۃ الاف"۔

۱۳۔ مجرموں کی مرتے وقت تنبیہ کرتے ہیں:
"توفتهم الملائكة يضربون وجوههم وادبارهم"۔

۱۴۔ بہشت میں جانے والوں کا استقبال کرتے ہیں:
"سلام عليكم بما صبرتم"۔

۱۵۔ دوزخ میں عذاب کرنے والے ذمہ دار ہیں: "عليها تسعة عشر"

۱۶۔ روح قبض کرنے والے ہیں: "توفته رسلنا"۔

۱۷۔ فرشتے، مختلف درجوں والے ہوتے ہیں: "مامنا الا له مقام معلوم"۔

۱۸۔ نزول وحی انھیں کے ذمہ ہے: "ينزل الملائكة بالروح"۔

۱۹۔ کبھی کبھی انسان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں: "فتمثل لها بشراً سوياً"۔

۲۰۔ عبادت کرنے میں کسی تھکن کا احساس نہیں کرتے:
"يسبّحون۔۔۔ وهم لا يسئمون"۔

۲۱۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی دیگر لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں:
"انما انا رسول ربّک لاهب لک غلاماً"۔

۲۲۔ اللہ کے بعض فرشتے منتخب ہیں: "اللّٰہ يصطفى من الملائكة رسلاً"۔

۲۳۔ فرشتوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے:
"والمومنون كل آمن باللّٰہ وملائكته وكتبه ورسله"، اور "ومن يكفر باللّٰہ وملائكته وكتبه ورسله فقد ضل ضلالاً بعيداً"۔

روایات میں بیان ہوا ہے کہ امامت کے منکروں سے سورہ قدر کے ذریعہ احتجاج کرو۔ کیونکہ اس سورہ کی بنیاد پر فرشتے ہر سال شب قدر میں نازل ہوتے ہیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آنحضرت پر نازل ہوتے تھے اور ان کے

بعد کس پر نازل ہوتے ہیں؟

یہ بات واضح ہے کہ ہر شخص خدا کے مقرب فرشتوں کا میزبان نہیں ہوسکتا، بلکہ اُسے پیغمبر کی طرح معصوم ہونا چاہئے اور انسان کی ولایت وسرپرستی اسی کے ذمہ ہے اور وہ امام معصوم کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا جو کہ ہمارے زمانہ میں حضرت مہدی علیہ السلام ہیں اور فرشتہ شب قدر میں آپ کے حضور میں شرفیاب ہوتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

سترہواں درس

تقدیریں

خدا کی معین کردہ تقدیروں کے اقسام

''یَمْحُوا اللّٰہُ مایَشاءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَہُ أُمُّ الْکِتابِ''۔[۱]

''خداوند عالم جو چاہے مٹادے اور جو چاہے لکھ دے، امّ الکتاب صرف اسی کے پاس ہے''۔

آیات اور روایات کی بنیاد پر الٰہی مقدرّات کی دو قسمیں ہیں:

الف) ہمیشگی مصلحت رکھنے والے امور اور ان کے قانون بھی ہمیشہ کے لئے ہیں۔ جیسے آیۂ شریفہ: ''ما یبدّل القول لدیّ''، یعنی ہمارے کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یا ''کلّ شیئٍ عندہ بمقدار''، یعنی خداوند عالم کے نزدیک ہر چیز کا دقیق حساب و کتاب ہوتا ہے اور اس طرح کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔(۱۲۰) اور خداوند عالم کے حکم سے صرف خدا کے مقرب

۱۔ سورہ رعد، آیت ۳۹

بندے ہی اس سے مطلع ہو سکتے ہیں۔ ''کتاب مرقوم یشہدہ المقرّبون''۔

ب) غیر حتمی امور اور ان کی مصلحتیں بھی انسان کی قول و فعل کے تابع ہوتی ہیں، جیسے لوگوں کا گناہوں سے توبہ کرنا، جس میں بخشش کی مصلحت پائی جاتی ہے، یا صدقہ دینا جس میں بلائیں دور ہونے کی مصلحت پائی جاتی ہے، یا ظلم و ستم جس میں مفسدہ اور برائی کی وجہ سے خدا کا قہر و غضب نازل ہوتا ہے۔ یعنی خداوند عالم کے نظام خلقت میں اپنے ہاتھ بندھے نہیں ہیں بلکہ اپنے بے نہایت علم و حکمت کے تحت، حالات کے بدلنے پر خلقت اور قوانین میں تبدیلی کر دیتا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ یہ تبدیلی خداوند عالم کے جہل کی نشانی نہیں ہے یا پشیمانی اور شرمندگی کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ یہ تبدیلی حکمت کی بنیاد پر اور حالات کے بدلنے کی وجہ سے یا اس حکم کی مدت پوری ہونے کی بنا پر ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں اس سلسلہ میں بہت سے نمونے بیان ہوئے ہیں، جیسے:

۱۔ ''**ادعونی استجب لکم**''، تم دعائیں کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ انسان دعا اور تضرع کے ساتھ اپنی مصلحت کو حاصل کر سکتا ہے اور اپنی تقدیر کو بدل سکتا ہے۔

۲۔ ''**لعلّ اللّٰہ یحدث بعد ذلک امراً**''، خدا کا قانون ہر جگہ پر ثابت نہیں ہے، شاید خداوند عالم، ضروری حالات کے پیش نظر ایک نئے منصوبہ پر عمل کرے۔

۳۔ ''**کل یوم ھو فی شأن**''، اس کی ہر روز ایک شان ہوتی ہے۔

۴۔ ''**فلمّا زاغوا ، ازاغ اللّٰہ**''؛ چونکہ ان لوگوں نے گمراہی کا راستہ

انتخاب کیا تو خداوند عالم نے بھی انھیں منحرف کر دیا۔

۵۔''و لون انّ اهل القری آمنوا و اتقوا لفتحنا علیهم برکات''، ایمان اور تقوی کے ذریعہ قہر الٰہی کو لطف و برکت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

۶۔''ان اللّٰہ لا یغیّر ما بقوم حتّیٰ یغیّروا ما بانفسهم''؛ خداوند عالم کسی بھی قوم کی تقدیر نہیں بدلتا مگر یہ کہ وہ خود اپنے اندر تبدیلی لائے۔

۷۔''الا من تاب و آمن و عمل عملا صالحاً فأولئک یبدّل اللّٰہ سیئاتهم حسنات''؛ جو لوگ توبہ کریں، ایمان لائیں اور نیک اعمال بجالائیں، تو خداوند عالم ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

۸۔''ان عُدتم عُدنا''؛ اگر تم پلٹ جاؤ گے تو ہم بھی پلٹ جائیں گے۔

البتہ خدا کا علم، اسباب و علل کے نظام کے تحت ہوتا ہے، اس طرح سے کہ اُسے علم ہے کہ اگر اس ذریعہ کو استعمال کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا اور اگر دوسرے وسیلہ سے کام لو گے تو اس کا سرانجام یہ ہوگا۔

بداء کیا ہے؟

شیعہ نظریہ کے مطابق بداء کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا ایسے ظاہر ہونا جس کے برخلاف ہمارا تصور ہوتا ہے، نہ کہ علم الٰہی میں تبدیلی اور خدا کے لئے کسی خلاف چیز کا ظاہر ہونا، لہٰذا بداء کے معنی ہمارا جہل ہوتا ہے، خدا کا نہیں۔

خلقت میں ''بداء''، قانون میں نسخ کی طرح ہے، جیسے کسی قانون یا حکم کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے ہم اس کے دائمی ہونے کا تصور کرتے ہیں، لیکن ایک مدت کے بعد وہ بدل جاتا ہے، البتہ یہ شرمندگی یا قانون بنانے والے کی جہالت

کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ حالات کے بدل جانے سے قانون میں تبدیلی آتی ہے، جیسے ایک حکیم کسی بیمار کی موجودہ حالت کے لئے ایک نسخہ لکھتا ہے لیکن اگر اس کی حالت بدل جائے تو پھر اس کے لئے ایک نیا نسخہ لکھتا ہے۔

ہم یہاں پر قرآن کریم سے بداء کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔ ہم گمان کرتے تھے کہ خداوند عالم نے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ذبح کا حکم دیا اس سے حضرت اسماعیل کا ذبح ہونا اور زمین پر اُن کا خون بہنا مراد تھا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ خداوند عالم اس کام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمانا چاہتا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا نہیں چاہتا تھا۔

۲۔ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا کے وعدہ کے پیش نظر یہ تصور کرتے تھے کہ مناجات کا زمانہ ۳۰ رشب ہیں ''و واعدنا موسیٰ ثلاثین لیلة''؛ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ پہلے سے ۴۰ رشب کا منصوبہ تھا لیکن خداوند عالم نے اسے امتحان کے لئے دو حصوں میں بیان کیا ہے، پہلے ۳۰ رات اور اس کے بعد ۱۰ رات۔

۳۔ ہم یہ سوچتے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ ہمیشہ کے لئے بیت المقدس ہے لیکن قبلہ کی تبدیلی کی آیات کے نازل ہونے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ دائمی قبلہ خانہ کعبہ ہے۔

۴۔ جب (قوم یونس پر) خداوند عالم کے قہر و غضب کی نشانی ظاہر ہوئی۔ یہاں تک حضرت یونس علیہ السلام بھی مطمئن ہو گئے کہ عذاب الٰہی نازل ہوگا اور

کافر قوم نابود ہوجائے گی، لہٰذا وہ لوگوں کو چھوڑ کر چلے گئے، لیکن بعد میں لوگ ایمان لے آئے اور خدا کا عذاب ٹل گیا۔

"الاّ قوم یونس لمّا آمنوا کشفنا عنهم"۔

بہرحال بداء کے معنی خداوند عالم کا جہل یا اس کے علم میں تبدیلی نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم پہلے سے ہی جانتا ہے کہ اسماعیل کا خون نہیں بہے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات ۴۰/ دن ہوگی، اور مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہوگا اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نجات پائے گی، لیکن ظاہر میں حکم اور حالات ایسے تھے جن سے انسان کا دوسرا تصور تھا، لہٰذا خداوند عالم کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، لیکن ہمیں ایک نئی چیز دکھائی دی۔

بداء کے اس معنی کے بہت سے تربیتی اثرات ہیں، جیسے اپنی عمر کے آخری حصہ میں حالات بدل جانے کی امید رکھنا اور اس سے بھروسہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور انسان ظاہر میں مبتلا نہیں رہتا، غیب اور قدرت خدا پر انسان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، انسان توبہ، صدقہ، مناجات اور دعا کے ذریعہ کوشش کرتا ہے تا کہ حادثات اور قہر الٰہی بدل جائے۔

❀❀❀❀❀

اٹھارہواں درس

اہل بیت علیہم السلام

آیہ تطہیر

''۔۔۔إِنَّما يُرِيدُ اللّٰہُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً''۔[۱]

''بس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم اہل بیت سے ہر قسم کے رجس اور برائی کو دور رکھے اور ایسا پاک و پاکیزہ قرار دے جیسا کہ پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے''۔

''انّما'' کا لفظ اس بات کی نشانی ہے کہ یہ آیہ شریفہ اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں ایک خاص لطف و کرم کو بیان کر رہی ہے۔

''یرید'' سے مراد، خدا کا تکوینی ارادہ ہے کیونکہ خداوند عالم کا تشریعی ارادہ تو تمام مسلمانوں کے پاک ہونے کے سلسلہ میں ہے، صرف اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں نہیں۔

''رجس'' سے مراد ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نجاست ہے۔

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۳۳

''اہل بیت'' سے مراد پیغمبر کا تمام خاندان نہیں ہے، بلکہ ان میں سے بعض ایسے افراد ہیں جن کے نام شیعہ وسنی روایات میں بیان بیان ہوئے ہیں، اور یہ حضرات علی وفاطمہ اور حسن وحسین علیہم السلام ہیں۔

سوال: اس طرح ان حضرات میں منحصر ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور کیوں آیت کا یہ حصہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجات یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام خاندان کے بارے میں نہیں ہے؟

پہلا جواب یہ ہے کہ روایات میں خود ازواج نبی یہاں تک کہ عائشہ اور جناب ام سلمہ سے نقل ہوا ہے کہ انھوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم بھی اہل بیت میں شامل ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

دوسرا جواب: ہم متعدد روایات میں پڑھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات پر اپنی عبا اڑھائی اور فرمایا: یہ میرے اہل بیت ہیں اور کسی دوسرے کو چادر میں آنے کی اجازت نہیں دی۔

تیسرا جواب: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت کو پانچ افراد سے مخصوص کرنے کے لئے ۶/ ماہ (یا ۸/ ماہ یا ۹/ ماہ) تک صبح کی نماز کے وقت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دروازہ سے گزرتے ہوئے فرمایا: کرتے تھے: ''الصلاۃ یا اہل البیت!

''...إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً''

کتاب احقاق الحق میں اہل سنت کی مشہور ومعروف حدیث کی ۷۰/ کتابوں سے زیادہ سے نقل ہوا ہے کہ یہ آیت صرف پنج تن پاک سے مخصوص ہے اور اہل سنت کی مشہور ومعروف کتاب شواہد التنزیل میں اس سلسلہ میں ۱۳۰/

روایات بیان ہوئی ہیں۔(۱۲۱)

بہرحال یہ آیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجات کو شامل نہیں ہے، کیونکہ:

وہ گناہ کی مرتکب ہوتی تھیں، جیسا کہ ہم سورہ تحریم میں پڑھتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعض زوجات کو کچھ راز کی باتیں بتائیں تو انھوں نے امانت داری سے کام نہ لیا اور اُسے دوسروں سے بتا دیا، قرآن کریم نے اس کام کو گناہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما''۔(۱۲۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ عائشہ نے حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں جنگ جمل کی ابتداء کی اگرچہ بعد میں پشیمان ہوئی، جبکہ اس جنگ میں بہت سے مسلمان مارے گئے۔

اعتراضات کا جواب

۱۔ کیا ''**یطھرکم**'' کا معنی یہ نہیں ہے کہ اہل بیت علیہم السلام میں رجس اور برائی پائی جاتی تھی اور خداوند عالم نے انھیں پاک کر دیا؟

جواب: تطہیر کے لئے شرط یہ نہیں ہے کہ کوئی چیز پہلے سے نجس ہو، کیونکہ خداوند عالم نے جنت کی حوروں کے بارے میں ''**مطھرّہ**'' کا لفظ استعمال کیا ہے جبکہ وہ کسی بھی طرح کی برائی میں مبتلا نہیں تھیں۔ بالفاظ دیگر: ''**یطھرّکم**'' کے معنی پاکیزہ رکھنے کے ہیں، گزشتہ نجاست سے پاک کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔

۲۔ اگر اہل بیت صرف پانچ افراد ہیں، تو پھر آیت کا یہ فقرہ اُن جملوں کے درمیان کیوں واقع ہوا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے لئے ہے۔

جواب: الف) ''انما یُرید اللّٰہ۔۔۔'' کا جملہ بالکل الگ سے نازل ہوا ہے لیکن قرآن کو جمع کرتے وقت اُسے یہاں پر قرار دیا گیا ہے۔

ب) تفسیر مجمع البیان کے مطابق عرب کے فصیح وادیب لوگوں اور شاعروں کی رسم یہ تھی کہ معمولی مطالب کے اندر ایسے جدید اور اہم مطالب بیان کیا کرتے تھے جس سے اس کی تاثیر بڑھ جائے۔ چنانچہ ٹی وی کی خبروں پر اگر اچانک خبریں پڑھنے والا یہ کہے کہ ابھی ابھی میرے ہاتھوں میں ایک نئی خبر پہنچی ہے اس پر توجہ کریں تو اس طرح کی باتوں پر زیادہ توجہ ہوتی ہے اور نفسیاتی طور پر ایک جھٹکا لگتا ہے۔

اس آیت کی طرح، سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ رُبھی ہے جس میں ولایت و امامت اور اکمال دین اور تمام نعمت، کفار کی مایوسی اور رضائے الٰہی، گوشت خنزیر اور خون سے متعلق احکام کی آیت میں بیان کیا گیا ہے اور اس طرح سے مطالب کو قرار دینا، نا اہل لوگوں کے ذریعہ قرآن میں تحریف سے حفاظت کا راز ہے۔ بالکل اُسی طرح کہ بعض اوقات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج، گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنے زیورات کو تکیہ کے اندر روئی میں رکھ دیا کرتی تھی، جبکہ سونے کی چیزوں (زیورات) اور روئی میں کوئی رابطہ نہیں ہے، لیکن اس کام کو نا اہل لوگوں سے حفاظت کے لئے انجام دیا جاتا تھا۔

ج) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجات کو ہونے والی نصیحتوں میں سے اچانک ارشاد خداوندی ہوتا ہے: اے اہل بیت، تمہاری عصمت کے لئے خداوند عالم نے ارادہ کرلیا ہے، یعنی اے زوجات نبی! تم اُس گھر میں ہو جس میں معصومین علیہم

السلام رہتے ہیں لہٰذا تمہیں تقوی اور پرہیز گاری کی زیادہ رعایت کرنا چاہئے۔

د) اہل بیت کے سلسلہ میں ضمیر جمع مذکر استعمال ہوئی ہے جس میں اکثر مرد ہونے کی طرف اشارہ ہے، زوجات نبی سے متعلق جملوں کے برخلاف کہ جن میں ضمیر جمع مؤنث استعمال ہوئی ہے۔ ''بتوتکن''، اور اقمن کی جگہ: عنکم اور یطھر کم'' استعمال ہوا ہے۔

اہلیت رکھنا یا اہلیت نہ رکھنا

خداوند عالم سورہ ہود کی آیت نمبر ۴۶ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نا اہل قرار دیتا ہے: ''قالَ یا نُوحُ إِنَّهُ لَیسَ مِنْ أَهْلِکَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَیرُ صالِحٍ''۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے بہت سی روایات بیان ہوئی ہیں جن کی ابتداء ''لیس منّا''؛ یعنی ہم میں سے نہیں ہے) سے شروع ہوتی ہیں، جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''من غش مسلماً فلیس منّا''؛ جو کسی مسلمان کے ساتھ خیانت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا احترام، اس کے خوف کی بنا پر ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا: ''من اصبح و لم یھتم بامور المسلمین فلیس بمسلم''؛ جو شخص صبح اٹھ کر مسلمانوں کی خدمت کی فکر نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

اسی طرح ہم بہت سی روایات میں پڑھتے ہیں: بے شک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوست وہ شخص ہے جو خداوند عالم کا مطیع و فرمانبردار ہو، اگرچہ وہ آنحضرت سے کوئی نسبت بھی نہ رکھتا ہو اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن وہ شخص ہے

جو خداوند عالم کی نافرمانی کرتا ہو، اگرچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

❁❁❁❁❁

انیسواں درس

اہل بیت علیہم السلام کی مودّت

رسالت کا اجر

''قُلْ لاَأَسئَلُکُمْ عَلَیهِ أَجراً إِلاّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ وَ مَنْ یَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فیها حُسْناً إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ شَکُورٌ''۔[1]

''تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو اور جو شخص بھی کوئی نیکی حاصل کرے گا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کر دیں گے، بیشک اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور قدرداں ہے''۔

قرآن کریم میں یہ کلام بار بار بیان ہوا ہے کہ انبیاء علیہم السلام، لوگوں سے اجر اور جزا طلب نہیں کرتے تھے، سورہ شعراء کی آیت نمبر ۱۰۰ر سے ۱۸۰ر میں مختلف انبیاء علیہم السلام کی زبانی یہ مطلب بیان ہوا ہے، (اسی طرح) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لوگوں سے اجر طلب نہیں کیا، لیکن دو مرتبہ خداوند عالم کی طرف

---

[1] سورہ شوری، آیت ۲۳

سے لفظ ''قُل '' (یعنی کہہ دیجئے) کے ذریعہ لوگوں سے ایسے معنوی اجر کا مطالبہ کیا جو خود انھیں کے فائدہ میں ہے۔

یہ معنوی اجر، دوطرح کے الفاظ میں بیان ہوا ہے؛ ایک مرتبہ خداوندعالم فرماتا ہے: ''میں کوئی بھی اجر طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ جو چاہے خدا کا راستہ انتخاب کرے، ''الاّ من شاء ان یتخذ الی ربّه سبیلاً''۔(۱۲۳) اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ''لا أَسئَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجراً إِلاّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبی'' اور سورہ سبا کی آیت نمبر ۴۷ ر میں مودت کا فائدہ خود لوگوں کے لئے بیان ہوتا ہے، ارشاد خداوندی ہے: ''قُلْ ما سَأَلْتُکُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَکُمْ إِنْ أَجْرِیَ إِلاّ عَلَی اللهِ وَ هُوَ عَلی کُلِّ شَیْئٍ شَهید''؛ کہہ دیجئے میں نے تم سے جو اجر طلب کیا ہے وہ تمہارے ہی لئے مفید ہے، میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے، وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

اس بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا: اگر میں تم سے اجر کا مطالبہ کروں اور یہ کہوں کہ میرے اہل بیت کو دوست رکھو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اجر کا فائدہ بھی خود تمہیں ہی پہنچے گا: ''فهو لکم'' کیونکہ جو شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معصوم اہل بیت علیہم السلام سے محبت کرے گا وہ ان کی پیروی بھی کرے گا اور جو شخص معصوم رہبر کی پیروی کرے گا تو اس نے گویا خدا کی پیروی کی ہے۔ ''الا من شاء أن یتخذا الی ربّه سبیلاً''۔ بالکل ایک استاد کی طرح کہ جو اپنے شاگردوں سے کہے: میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے درس کو اچھی طرح پڑھو، اور اس کا فائدہ بھی خود تمہیں ہی پہنچے گا۔ اس بنا پر اجر رسالت

دو چیز ہے: ایک خدا کے راستہ کا انتخاب اور دوسرے اہل بیت علیہم السلام کی مودت۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں لفظ ''الاّ'' کے ذریعہ بیان ہوئی ہیں، یعنی میرا اجر صرف اور صرف یہی چیزیں ہیں۔

تھوڑا غور وفکر کرنے سے ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ خدا کا راستہ اور اہل بیت علیہم السلام کی محبت ایک ہی چیز ہے، کیونکہ اگر دو چیزیں ہوں تو تناقض (ٹکراؤ) پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میں صرف گرمیوں کے دنوں میں مطالعہ کروں گا، اور دوبارہ یہ کہا جائے کہ میں صرف سردیوں کے موسم میں مطالعہ کروں گا، کیونکہ انحصار ایک چیز میں ہوسکتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے ایک بار یہ کہیں کہ لوگوں سے کہیں کہ میرا اجر صرف اللہ کے راستہ کو اپنانا ہے اور دوبارہ یہ کہیں کہ: میرا اجر صرف میرے اہل بیت علیہم السلام کی محبت ہے، حقیقت میں یہ دونوں درخواستیں ایک ہی ہیں، یعنی اللہ کا راستہ وہی محبت اہل بیت علیہم السلام ہے۔

دوسری طرف سے مودّت میں دو چیزیں ضروری ہیں: ایک شناخت اور معرفت، کیونکہ انسان جب تک کسی کو نہ پہچانے تو اس سے عشق ومحبت نہیں کرسکتا اور دوسرے اطاعت اور پیروی، کیونکہ اطاعت کے بغیر مودّت ایک طرح سے ریاکاری، دکھاوا، جھوٹ اور چاپلوسی ہے لہٰذا جو لوگ اپنے احکام کو اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ دوسروں سے حاصل کرتے ہیں، انھوں نے خدا کے راستہ کو نہیں اپنایا ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا نظریہ۔

عقل کہتی ہے: جب تک کسی پر لطف وکرم ہوتا رہے تو اس کا شکریہ ادا کرنا

بھی ضروری ہے، اور اگر آج ہم پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لطف و کرم شامل ہو رہا ہے اور ہم اسلام کی طرف ہدایت ہو رہے ہیں تو ہمیں اجر رسالت ادا کرنا ہوگا، اور اگر اجر رسالت، اہل بیت علیہم السلام کی محبت ہے تو پھر آج بھی اہل بیت علیہم السلام کا وجود ہونا چاہئے، تاکہ ان سے مودت و محبت کی جاسکے اور ان کی اطاعت کرسکیں، جی ہاں، آج بھی ہمیں امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سے مودت و محبت کرنی چاہئے اور ہمیں اُن کا اطاعت گزار ہونا چاہئے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں پر اجر رسالت ادا کرنا لازم ہو اور اہل بیت علیہم السلام سے محبت کرنا واجب ہو، لیکن آج کے مسلمانوں کے لئے یہ ذمہ داری نہ ہو!! یا اہل بیت علیہم السلام کا کوئی فرد اس وقت موجود نہ ہو!! جس سے مودت و محبت کی جاسکے اور اجر رسالت ادا کیا جاسکے۔ البتہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سے محبت و مودّت، آپ کی غیبت کے زمانہ میں یہ ہے کہ آپ کے پیغامات پر عمل کریں، ان حضرات کے راستہ پر چلیں جن کے راستہ پر چلنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، یعنی فقیہ عادل اور ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرنے والے فقہائے کرام۔

انسان کی عقل اس بات کو سمجھتی ہے کہ چونکہ اجر رسالت، اہل بیت علیہم السلام کی محبت قرار پائی ہے، جس نے کروڑوں لوگوں کو ہدایت، سعادت اور خدا کے عظیم فضل تک پہنچادیا ہے، قربیٰ اور جن سے مودّت اور محبت کا حکم دیا گیا ہے وہ سب سے افضل انسان اور معصوم ہونے چاہیں کیونکہ گناہگاروں کی محبت، کبھی بھی اجر رسالت قرار نہیں پاسکتی اور اس بات کا یقین نہیں کیا جاسکتا کہ گناہگاروں کی

محبت، ہر زمانہ میں مسلمانوں پر واجب تھی اور یہ بات بھی طے ہے کہ (شیعہ فرقہ کے علاوہ) کوئی بھی فرقہ اپنے رہبروں کو معصوم نہیں مانتا، دوسری طرف کسی نے بھی معصوم ائمہ کے لئے کوئی گناہ بیان نہیں کیا ہے اور نہ ہی ان حضرات کے لئے کسی استاد کا نام لیا ہے۔

عقل کہتی ہے: انسان کا غیر معصوم شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دینا، نہ صرف یہ کہ انسانیت پر ظلم ہے، بلکہ تمام کائنات پر ظلم ہے کیونکہ کائنات انسان کے لئے خلق ہوئی ہے۔ (تمام آیات میں ''**خلق لکم**''، ''**سخر لکم**''، اور ''**متاعا لکم**'' میں اس بات کی نشانی ہے کہ تمام کائنات انسان کے لئے خلق ہوئی ہے) اور انسان کو حقیقی اور معنوی کمال تک پہنچنے اور الٰہی رنگ اپنانے میں، ان بلند مقاصد کے پیش نظر ایک غیر معصوم رہبر کے سپرد کرنا، کیا خود اس پر اور کائنات پر ظلم نہیں ہے؟!

اگر روایات میں معصوم رہبر اور اس کی ولایت کو دین کی بنیاد قرار دیا گیا ہے: ''**بنی الاسلام علی خمس۔۔۔ الولایة**''۔(۱۲۴) (یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔۔۔۔جن میں سے ایک ولایت ہے)، اور اگر حضرت علی علیہ السلام کو جنت و دوزخ تقسیم کرنے والا قرار دیا گیا ہے: ''**قسیم الجنة و النار**''۔(۱۲۵) اگر بغیر ولایت کے نماز قبول نہیں ہے۔(۱۲۶) اگر اہل بیت علیہم السلام کی محبت، حسنہ اور نیکی ہے (۱۲۷) اور اگر ان حضرات کی زیارت اور ان حضرات سے توسل کرنے کی تاکید ہوئی ہے تو یہ تمام چیزیں اسی مودّت کے کیمیا اور جوہر کی بنیاد پر ہیں۔

اہل سنت کے بزرگ علماء جیسے: علامہ زمخشری اور علامہ فخر رازی نے اپنی اپنی تفسیروں میں بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''**من مات علی حبّ آل محمد مات شهیداً**''؛ جو شخص آل محمد (علیہم السلام) کی دوستی پر دنیا سے جائے تو وہ شہید ہوتا ہے۔

''**من مات علی حبّ آل محمد مات تائباً**''؛ جو شخص آل محمد (علیہم السلام) کی دوستی پر دنیا سے جائے تو وہ توبہ کیا اس دنیا سے جاتا ہے۔

''**من مات علی حبّ آل محمد مات مستکمل الایمان**''؛ جو شخص آل محمد (علیہم السلام) کی دوستی پر دنیا سے جائے تو وہ کامل ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جاتا ہے۔

''**من مات علی حبّ آل محمد مات علی السنة و الجماعة**''؛ جو شخص آل محمد (علیہم السلام) کی دوستی پر دنیا سے جائے تو وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت وسیرت پر دنیا سے جاتا ہے۔

تو اس موقع پر سوال یہ ہے کہ کیا اطاعت کے بغیر یہ مودّت، شہادت، مغفرت اور کامل ایمان کے برابر ہوسکتی ہے؟!

انھیں تفسیروں میں اسی آیت کے ذیل میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ: ''**الا و مَن مات علی بغض آل محمد جاء یوم القیامة مکتوب بین عینیه آیس من رحمة اللّٰہ**''؛ یعنی جو شخص آل محمدؐ سے بغض وکینہ رکھتے ہوئے مرجائے تو قیامت کے دن اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ وہ

رحمت خدا سے مایوس مرا ہے۔

''الا و مَن مات علی بغض آل محمد مات کافراً''؛ یعنی جو شخص آل محمدؐ سے دشمنی پر مرے تو کافر مرتا ہے۔

''الا و مَن مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحة الجنة''؛ جو شخص آل محمدؐ سے دشمنی پر مرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا۔

علامہ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جب آیۂ مودت نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کہ اس قربیٰ سے کون لوگ مراد ہیں جن کی مودت ہم پر واجب ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی و فاطمہ اور اُن کے دونوں فرزند، اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا: ''فاطمة بضعة منی یوذنی مایوذیها''؛ یعنی فاطمہ میرا ایک حصہ ہیں جس نے انھیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جو لوگ، رسول خدا کو اذیت دیتے ہیں ان کے بارے میں قرآن کریم میں یوں ارشاد ہوتا ہے: ''إِنَّ الَّذینَ یُؤْذُونَ اللّٰهَ وَ رَسولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیا وَ الْآخِرَةِ وَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذاباً مُهیناً'' (۱۲۸) (یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور اُن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے)۔

ہم ایک حدیث میں پڑھتے ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس آیت: ''ومَن یقترف حسنة نزد له فیها حسناً'' کے ذیل میں فرمایا: ''افتراف الحسنة مودّتنا اهل البیت''۔(۱۲۹) یعنی ہم اہل بیت (علیہم السلام) کی محبت حسنہ اور نیکی ہے۔

❁❁❁❁❁

بیسواں درس

امامت وولایت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری ذمہ داری

''یا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ ما أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ وَ إِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَما بَلَّغْتَ رِسالَتَهُ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکافِرِینَ''۔[1]

''اے پیغمبر آپ اس حکم کو پہنچادیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے''۔

قرآن کریم میں صرف یہی ایک آیت ہے جس کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پیغام کے چھپانے پر ڈرایا گیا ہے کہ اگر اس پیغام کو نہ پہنچایا تو ۲۳ رسال کی زندگی میں جو کچھ بھی کیا ہے وہ سب رائگان ہوجائے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اگر آپ کی ولایت کو لوگوں تک نہ پہنچاؤں تو میرے تمام اعمال نابود ہوجائیں گے۔

---

[1] ۔سورہ مائدہ، آیت ۶۷

مذکورہ آیت میں چند ایسے نکات ہیں جو اس آیت کو سمجھنے میں مددگار ہیں:

۱۔ سورہ مائدہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری عمر میں نازل ہوا ہے۔

۲۔ اس آیت میں ''یَا ایُّھَا النَّبِی'' کی جگہ ''یا ایھا الرسول'' سے خطاب ہوا ہے جو ایک اہم ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ حکم ''ابلغ'' کی جگہ حکم ''بلّغ'' آیا ہے جو اس حکم کو قطعی اور قانونی طور پر پہنچانے اور اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۴۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اہم پیغام کو نہ پہچانے سے ڈرایا گیا ہے کہ اگر آپ نے یہ پیغام نہ پہنچایا تو آپ کی تمام زحمتیں برباد ہو جائیں گی۔

۵۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جان کے سلسلہ میں نہیں ڈرتے تھے کیونکہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے تھے اور بت پرستوں سے مقابلہ تھا اور مشرکین کے ساتھ جنگ تھی تو آپ نہیں ڈرتے تھے (جبکہ آپ پر پتھر برسائے جاتے تھے، آپ کے اصحاب کو تکلیف دی جاتی تھی، اب اپنی آخری عمر میں اتنے اصحاب کے باوجود کیوں ڈرتے ؟!)

۶۔ آیت کا پیغام، توحید، نبوت اور قیامت سے متعلق نہیں ہے کیونکہ یہ تمام اصولی باتیں بعثت کے ابتدائی دنوں میں مکہ معظّمہ میں بیان ہو چکی ہیں اور اب آپ کی آخری عمر میں اس طرح کی تاکید کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۷۔ یہ آیت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس اور جہاد سے بھی متعلق نہیں ہے چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۲۳ رسال کی زندگی میں یہ سب بیان ہو چکے ہیں اور لوگوں نے ان پر عمل بھی کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں کسی طرح کا کوئی خوف و ہراس

نہیں تھا۔

تمام شیعہ مفسرین اور بعض اہل سنت کے مفسرین نے اس آیت کا ایک مصداق ۱۸ ذی الحجہ سن ۱۰ ہجری کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری سفر حج کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و امامت اور حدیث ''**مَن کنتُ مولاہ فعلی مولاہ**'' قرار دیا ہے اور ہمیں حیرانی سے بچالیا ہے اور صحیح راستہ کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''**بُنی الاسلام علی خمس: علی الصلاۃ و الزکاۃ و الصوم، و الحج و الولایۃ، و لم یناد بشیء کما نودی بالولایۃ، فاخذ الناس باربع و ترکوا ھذہ**''؛ یعنی اسلام کی بنیاد پانچ ہیں، نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور ولایت اہل بیت، اور کسی بھی چیز پر ولایت کی طرح اتنی تاکید نہیں ہوئی ہے، لیکن لوگوں نے چار چیزوں کو قبول کرلیا ہے اور ولایت کو چھوڑ دیا ہے۔

ولایت، رسالت کی تکمیل

''۔۔۔ **اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذینَ کَفَرُوا مِنْ دینِکُمْ فَلاتَخْشَوْھُمْ وَ اخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دینَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتی وَ رَضیتُ لَکُمُ الْإِسْلامَ دیناً فَمَنِ اضْطُرَّ فی مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌ رَحیمٌ**''۔[1]

''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کردیا ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسندیدہ بنادیا ہے، لہٰذا جو شخص بھوک میں مجبور ہوجائے اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

---

[1] ۔سورہ مائدہ، آیت ۳

سنی اور شیعہ روایات کے مطابق، آیت کا یہ فقرہ: ''الیوم اکملتُ۔۔۔'' غدیر خم میں حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو امامت پر منصوب کرنے کے بعد نازل ہوا ہے۔

منقولہ دلائل سے قطع نظر، عقلی جائزہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے چونکہ اس روز کے لئے چار خصوصیات بیان ہوئی ہیں: ۱۔ کافروں کی مایوسی کا دن؛ ۲۔ دین کے مکمل ہونے کا دن؛ ۳۔ لوگوں پر الٰہی نعمتوں کے تمام ہونے کا دن؛ ۴۔ ایسا دن جس میں اسلام کو ''دین'' اور ایک کامل مذہب کے عنوان سے خداوند عالم نے پسند کرلیا اور اور تاریخ اسلام کے بہت اہم دنوں جیسے بعثت، ہجرت، فتح مکہ اور جنگوں میں کامیابی وغیرہ کے دنوں میں مذکورہ آیت میں بیان ہونے والی چاروں صفات نہیں پائی جاتی۔ اس بنا پر صرف روز غدیر ہی آیت میں ذکر ہونے والے چاروں عنوان پر منطبق ہے۔

کفّار کی مایوسی اس وجہ سے تھی کہ جب تہمتیں، جنگیں اور پیغمبر پر قاتلانہ حملہ میں ناکام ہوگئے تو ان کی امید صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرنے کے بعد تھی، لیکن حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو امامت پر منصوب کرنے سے سب کو سمجھ میں آ گیا کہ رسول کی وفات کے بعد اُن کا دین ختم نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام جیسی شخصیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اور وہی امت اسلامیہ کے رہبر ہیں، لہٰذا اس موقع پر کفّار مایوس ہوگئے۔

اکمال دین، اس وجہ سے کہ اگر مکمل طور پر قوانین اور اصول کامل ہوجائیں لیکن امت اور معاشرہ کے لئے کوئی معصوم اور کامل رہبر معین نہ ہو تو پھر قوانین

ناکافی ہوجاتے ہیں۔

نعمتوں کا اتمام، اس وجہ سے ہے کہ قرآن کریم نے سب سے بڑی نعمت، رہبری اور ہدایت کی نعمت کو شمار کیا ہے۔ اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے چلے جاتے اور مسلمانوں کو بغیر سرپرست کے چھوڑ جاتے تو گویا رسول ایسے کام کرتے جو ایک چرواہا اپنے گلّہ کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ پھر ایک الٰہی رہبر کو معین کئے بغیر کس طرح نعمت تمام ہوسکتی تھی؟!

خداوند عالم کا راضی ہونا، اس وجہ سے ہے کہ جب مکمل قانون اور نافذ کرنے والے عادل دونوں آپس میں مل جائیں تو پھر خداوند عالم کی رضا حاصل ہوجاتی ہے۔

اسی وجہ سے (اکمال دین، اتمام نعمت، رضائے پروردگار اور کفّار کی مایوسی کا دن) اہل بیت علیہم السلام کی روایات میں ''عید غدیر'' کو سب سے بڑی عید شمار کیا گیا ہے۔

کسی بھی چیز کے آثار کبھی کبھی اس چیز کے تمام اجزاء پورے ہونے پر ہوتے ہیں، جیسے روزہ، اگر اذان (مغرب) سے پل بھر پہلے افطار کرلیا جائے تو وہ باطل ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے لفظ ''تمام'' کا استعمال ہوا ہے: ''اتموا الصیام الی اللیل''، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہر جز کا ایک اثر ہوتا ہے جیسے قرآن کریم کی آیات کی تلاوت، کہ تمام آیات کی تلاوت میں کمال ہے لیکن جتنی آیات بھی پڑھی جائیں تو اس کا اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ کبھی کبھی بعض اجزاء ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوں تو پورا مجموعہ ناقص ہوجاتا ہے، چاہے دوسرے تمام اجزا، موجود

بھی ہوں، جیسے ہوائی جہاز میں پائلٹ یا گاڑی کا ڈرائیور، جن کے بغیر یہ چیزیں بے ثمر اور بے فائدہ ہوجاتی ہیں۔ رہبری اور ولایتِ حق اسی طرح ہے، چونکہ یہ انسان کو خدا سے متصل کر دیتی ہے اور اس کے بغیر، مخلوقات اور نعمتیں، بدبختی میں بدل جاتی ہیں، اور انسان خدا تک نہیں پہنچ پاتا۔

ولایت کا مالک کون؟

"إِنَّما وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ وَ الَّذينَ آمَنُوا الَّذينَ يُقيمُونَ الصَّلاةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكاةَ وَ هُمْ راكِعُونَ"۔[1]

"ایمان والو! بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبانِ ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں"۔

آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں شیعہ وسنی کتابوں میں بیان ہوا ہے: ایک نیازمند شخص مسجد نبوی میں آیا اور اس نے لوگوں سے مدد مانگی، لیکن اُسے کسی نے کچھ نہ دیا، حضرت علی علیہ السلام نماز میں مشغول تھے آپ نے رکوع کی حالت میں اُس فقیر کو اپنی انگوٹھی عطا کی تو اس بخشش کی جزا میں یہ آیت نازل ہوئی۔(۱۳۰)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے اسی آیت کی تلاوت فرمائی اور خود حضرت علی علیہ السلام نے اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے بار بار اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

جی ہاں، کسی کا سب سے بہترین تعارف یہ ہوتا ہے کہ اُس کے اوصاف

---

[1] ۔سورہ مائدہ، آیت ۳

اور خصوصیات بیان کئے جائیں تا کہ مخاطب خود ہی اُس کے مصداق تلاش کرے۔(آیت نے حضرت علی علیہ السلام کا نام لئے بغیر آپ کے اوصاف اور کارناموں کو بیان کیا ہے)

ولایت فقیہ بھی امام معصوم کی ولایت کے ہی تحت ہے، مقبولہ عمر بن حنظلہ میں حضرت امام صادق علیہ السلام کی حدیث میں ہم پڑھتے ہیں: اس شخص کو دیکھو جو ہماری حدیثوں کو بیان کرتا ہو اور ہمارے حلال وحرام میں رائے دیتا ہو اور ہمارے احکام کو جانتا ہو، لہٰذا ایسے شخص کی حکومت پر راضی رہو کہ میں نے ایسے شخص کو تمہارے اوپر حاکم قرار دیا ہے۔

❁❁❁❁❁

اکیسواں درس

امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف)

دنیا میں الٰہی جانشین

''وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْأَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِینَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِینَھُمُ الَّذِی ارْتَضیٰ لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ أَمْناً یَعْبُدُونَنِی لا یُشْرِکُونَ بِی شَیْئاً وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَأُولٰئِکَ ھُمُ الْفاسِقُونَ} (سورہ نور، آیت ۵۵)

''اللہ نے تم میں سے صاحبانِ ایمان وعمل صالح سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں روئے زمین میں اسی طرح اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح پہلے والوں کو بنایا ہے اور ان کے لئے اس دین کو غالب بنائے گا جسے ان کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کردے گا کہ وہ سب صرف میری عبادت کریں گے اور کسی طرح کا شرک نہ کریں گے اور اس کے بعد بھی کوئی کافر ہوجائے تو درحقیقت وہی لوگ فاسق اور بدکردار ہیں''۔

ہم حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کی بہت سی روایات میں پڑھتے ہیں:

اس آیت کا مکمل مصداق حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حکومت کا زمانہ ہوگا۔

قرآن کریم میں بار بار صالحین کی آخری حکومت کے سلسلہ میں بیان ہوا ہے، جیسے تین مرتبہ ارشاد ہوا: ''**لیظهره علی الدّین کلّه**''، یعنی اسلام کو تمام ادیان پر کامیابی ملے گی۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''**انّ الارض یرثها عبادی الصالحون**''، میرے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے، اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ''**العاقبة للمتقین**''؛ ''سرانجام، متقین کے لئے ہوگا''۔

آیۂ شریفہ میں مومنوں کی جانشینی سے مراد یا تو خدا کی جانشینی ہے یا فاسد اور ہلاک ہونے والی قوموں کی جانشینی مراد ہے۔

''قرطبی'' اپنی تفسیر میں اسلام کی مکمل کامیابی کے سلسلہ میں چند احادیث نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''پوری زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ ہوگی اسلام نہ پہنچ جائے''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری حج میں مکہ سے پلٹتے ہوئے غدیر خم میں خدا کے حکم سے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آج میں نے اسلام کو تمہارے لئے پسند کرلیا ہے: ''**رضیت لکم الاسلام دیناً**''، اس مذکورہ آیت میں خداوند عالم کا دیا ہوا وعدہ اس دین کے سلسلہ میں ہے کہ جسے خداوند عالم نے پسند کرلیا ہے؛ ''**دینهم الذی ارتضیٰ لهم**''؛ جس دین کو خداوند عالم نے پسند کیا اور اس کا اعلان بھی کیا وہ ہے مکتب غدیر خم۔

اس آیہ شریفہ سے حاصل ہونے والے پیغامات درج ذیل ہیں:

۱۔ اسلام، دنیا کے مستقبل کا دین ہے، تاریخ کا مستقبل مومنوں کے فائدہ میں اور کافروں کے تسلط کی شکست کا ہے: ''وَعَدَ اللّٰهُ۔۔۔وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دینَهُمُ''۔

۲۔ محروم مومنین کو امید دلائیں تاکہ سختیوں کا دباؤ انھیں مایوس نہ کردے: ''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذینَ آمَنُوا''۔

۳۔ حق کی وسیع حکومت ملنے کی لیاقت کا راز اور اس کی کنجی، صرف ایمان اور عمل صالح ہے: ''الَّذینَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحاتِ''، صرف انھیں لوگوں کو کامیابی کا وعدہ دیا گیا ہے جو اہل ایمان اور عمل صالح والے ہوں، اُن لوگوں کو نہیں جو صرف اہل ایمان ہوں۔

۴۔ دین، سیاست سے الگ نہیں ہے، بلکہ سیاست اور حکومت دین کی حفاظت کے لئے ہے: ''لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ۔۔۔یَعْبُدُونَنی''۔

۵۔ لوگوں کے درمیان تبلیغ کرنے اور ان کی رہنمائی میں ان کو یقین دلانے کے لئے گزشتہ تاریخی نمونوں کا ذکر کرنا مفید ہوتا ہے:

''کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذینَ مِنْ قَبْلِهِمْ''۔

۶۔ اہل حق کی آخری کامیابی، ایک الٰہی سنت ہے:

''کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذینَ مِنْ قَبْلِهِمْ''۔

۷۔ اہل ایمان کی کامیابی اور انھیں حکومت ملنے کا مقصد، زمین پر دین الٰہی کی ترویج کرنا اور (معاشرہ کو) توحید اور مکمل امن و امان تک پہنچنا ہے:

''وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دینَهُمُ۔۔۔لَیُبَدِّلَنَّهُمْ۔۔۔لا یُشْرِکُونَ''۔

۸۔ خداوند عالم، صرف دین اسلام سے راضی ہوا ہے:

''دینَهُمُ الَّذِی ارْتَضی لَهُمْ''۔

۹۔حقیقی امن وامان،صرف دینی حکومت کے زیر سایہ ہی ممکن ہے:
''وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً''۔
۱۰۔صالحین کی حکومت میں بعض لوگ منحرف ہوں گے:
''وَعَدَ اللّٰہُ۔۔۔وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ''۔

بقیۃ اللہ

روایات میں ہر ایسے مبارک وجود کو جو بشریت کے لئے حکمِ خدا سے باقی رہتا ہے؛''بقیت اللہ'' کہا گیا ہے، جیسے وہ مومن فوجی جو میدان جنگ سے کامیابی کے ساتھ واپس پلٹتا ہے، کیونکہ یہ مجاہد خداوند عالم کے ارادہ سے باقی بچ گیا ہے۔

حضرت امام عصر (عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف) کو بھی''بقیۃ اللہ'' کہا جاتا ہے، چونکہ آپ کا وجودِ مبارک، لوگوں کی ہدایت کے لئے مرضی پروردگار سے باقی اور محفوظ ہے۔

ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ایک اسم مبارک''بقیۃ اللہ'' ہے اور آپ کو اس نام سے سلام کرنا چاہئے:''**السلام علیک یا بقیۃ اللہ فی ارضہ**''۔

جب امام عصر (عج) مکہ میں ظہور فرمائیں گے تو سورہ ہود کی اس آیت کی تلاوت فرمائیں گے:''بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ''؛[۱] اور ارشاد فرمائیں گے: وہ بقیۃ اللہ میں ہی ہوں۔

البتہ''بقیۃ اللہ'' کے نام سے دیگر معصومین علیہم السلام کو بھی پکارا جاتا تھا۔

❁❁❁❁❁

۱۔سورہ ہود، آیت ۸۶

بائیسواں درس

شفاعت

شفاعت اوراس کےشرائط

''یَوْمَئِذٍ لاٰ تَنْفَعُ الشَّفاعَةُ إِلاَّ مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلاً''۔[1]

''اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی سوائے ان کے جنہیں خدا نے اجازت دے دی ہواور وہ ان کی بات سے راضی ہو''۔

چونکہ شفاعت کا انکار،قرآن کریم اور روایات کے برخلاف،اور گناہگار مومنین کی ناامیدی کا سبب ہے اور بلا قید و شرط شفاعت کا قبول ہونا بھی گناہگاروں کی جرائت میں اضافہ کا سبب اور عدالت الٰہی کے برخلاف ہے لہٰذا قرآن کریم نے شفاعت کے لئے کچھ شرائط اور حساب وکتاب بیان کئے ہیں۔

قرآن کریم کی نگاہ میں شفاعت، گناہگاروں کے لئے امید کی کرن، ان کا اولیائے الٰہی سے رابطہ اوراُن کی پیروی کا سبب ہے۔

---

[1] سورہ طہ، آیت ۱۰۹

شفاعت خدا کی اجازت سے ہوگی اور شفاعت صرف ان لوگوں کی ہوگی جو توحید کے محور پر قائم ہوں گے اور صحیح منطق اور عقائد حقّہ رکھتے ہوں گے اور ان کے قول کو خدا قبول کرتا ہوگا، یعنی ان کی شہادتین، وقتی، جبری، ظاہری اور مسخرہ و نفاق پر مبنی نہ ہوگی، اس صورت میں اگر ان کے اعمال میں کچھ کمی ہوگی تو شفاعت کے ذریعہ ان پر خداوند عالم کی عنایت ہوگی۔

اسی وجہ سے قرآن کریم نے دنیا و آخرت میں بت پرستوں کے لئے بتوں کی شفاعت کو باطل قرار دیا ہے۔

شفاعت کے یہ معنی قابل قبول نہیں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے گناہگار پیروکاروں کے لئے فدا ہوئے ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اپنے شیعوں کی شفاعت کے لئے ہوئی ہے، اگرچہ امام حسین علیہ السلام قیامت کے دن عظیم شفاعت کرنے والوں میں سے ہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا مقصد، اپنے چاہنے والوں کی شفاعت کرنا نہیں تھا۔

حضرت امام باقر علیہ السلام نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت صرف ان لوگوں کو نصیب ہوگی جن کے عمل اور گفتار سے خداوند عالم راضی ہو اور وہ زندگی بھر آل رسول کی محبت پر قائم رہیں اور اُسی پر ان کی موت واقع ہو۔(۱۳۱)

شفاعت کرنے والے اور شفاعت ہونے والے

"وَ کَمْ مِنْ مَلَکٍ فِی السَّماواتِ لا تُغْنی شَفاعَتُهُمْ شَیْئاً إِلاَّ مِنْ بَعْدِ أَنْ یَأْذَنَ

اللّٰہُ لِمَنْ یَشاءُ وَیَرْضی"۔[۱]

"اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کسی کے کام نہیں آسکتی ہے جب تک خدا ،جس کے بارے میں چاہے اور اسے پسند کرے ،اجازت نہ دے دے"۔

"فَماتَنْفَعُهُمْ شَفاعَةُ الشَّافِعِينَ"۔[۲]

"تو انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش بھی کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی"۔

ہم قرآن وروایات میں پڑھتے ہیں کہ خداوند عالم، قیامت کے دن بعض افراد کو دوسروں کی شفاعت کرنے کی اجازت عنایت فرمائے گا، جیسے:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت میں پڑھتے ہیں: "انا اوّل شافع" (۱۳۲) میں سب سے پہلے (اپنی امت کی) شفاعت کرونگا۔

قرآن کریم: حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "قیامت کے دن ،قرآن کریم شفاعت کرنے والوں میں سے ہوگا"۔(۱۳۳)

انبیاء علیہم السلام: روایات میں بیان ہوا ہے کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے: "یشفع الانبیاء" (۱۳۴)

ائمہ معصوم اور حقیقی شیعہ: امام معصوم سے ایک روایت میں بیان ہوا ہے:

قیامت کے دن، ہم اور ہمارے شیعہ شفاعت کرنے والے ہوں گے:

"لنا شفاعة و لاهل مودّتنا شفاعة" (۱۳۵)

۱۔سورہ نجم، آیت ۲۶

۲۔سورہ مدثر، آیت ۴۸

فرشتے اور شہداء: قیامت کے دن فرشتے اور شہداء، (جس کی چاہیں گے) شفاعت کریں گے: ''یوذن للملائکة و الشهداء ان یشفعوا''(۱۳۶) قیامت کے دن ہر شہید، اپنے اہل خانہ میں سے ۷۰ افراد کی شفاعت کرے گا۔(۱۳۷)

عبادات: قیامت میں شفاعت کرنے والوں میں سے بندوں کی عبادت بھی ہوگی: ''الصیام و القرآن شفیعان للعبد یوم القیامة''(۱۳۸)

شفاعت پانے والوں کے لئے شرائط

قرآن کریم اور روایات میں بیان ہوا ہے کہ درج ذیل شرائط رکھنے والوں کی شفاعت ہوگی:

الف) جو لوگ با ایمان ہوں گے، نماز کی ادائیگی کرتے ہوں گے اور راہ خدا میں خرچ کرنے والے ہوں گے اور انھوں نے اپنی زندگی بیہودہ کاموں میں برباد نہ کی ہوگی: ''فما تنفعهم شفاعة الشافعین''۔

ب) خداوند عالم جن لوگوں کی شفاعت کی اجازت دے گا: ''من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه''۔

ج) جن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

د) جن لوگوں کا رابطہ، شفاعت کرنے والوں سے نہ ٹوٹا ہوگا۔ اور جن لوگوں کا شافعین سے اعتقادی رابطہ نہ ہوگا ان کی شفاعت نہیں ہوگی۔

سوال: کیا شفاعت ایک قسم کی گروہ بندی نہیں ہے؟

جواب: ہرگز نہیں، کیونکہ:

الف) جس شخص کو شفاعت نصیب ہوگی اس نے اپنے فکر و عمل کے ذریعہ اپنے اندر شفاعت کی صلاحیت پیدا کی ہوگی، اس بنا پر گروہ بندی کے برخلاف، شفاعت، ایک قانون اور قاعدہ کے تحت ہوگی۔

ب) شفاعت میں کسی کا حق ضائع نہیں ہوگا، لیکن گروہ بندی میں دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔

ج) شفاعت کرنے والا، شفاعت پانے والوں سے کوئی امید نہیں رکھتا، گروہ بندی کے برخلاف، جب انسان کسی کے لئے کوئی کام کرتا ہے تو اس سے کچھ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔

د) شفاعت کرنے والوں کا مقصد، شفاعت پانے والے کی رستگاری ہوگی؛ لیکن گروہ بندی میں دنیوی مقاصد ہوتے ہیں۔

ھ) شفاعت، تربیت اور ترقی کا سبب ہے، کیونکہ جس کی شفاعت ہونی ہے وہ شفاعت کرنے والے اولیائے الٰہی سے معنوی رابطہ برقرار کرتا ہے۔

سوال: کیا شفاعت، گناہگاروں کو گناہوں کی ترغیب دلانا نہیں ہے؟

جواب: ہرگز نہیں، کیونکہ پہلے تو معلوم نہیں ہے کہ کس کس کی شفاعت ہوگی، دوسرے یہ کہ کیا زہر کے اثر کو ختم کرنے والی دوائی بنانا، انسان کو زہر کھانے کی ترغیب دلاتا ہے۔؟!

❁❁❁❁❁

تیئسواں درس

گناہ اور نافرمانی

گناہوں کے اقسام

''الَّذینَ یَجْتَنِبُونَ کَبائِرَ الْإِثْمِ وَ الْفَواحِشَ إِلاَّ اللَّمَمَ إِنَّ رَبَّکَ واسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔۔۔''۔[1]

''جو لوگ، گناہانِ کبیرہ اور فحش باتوں سے پرہیز کرتے ہیں (گناہان صغیرہ کے علاوہ) بیشک آپ کا پروردگار اُن کے لئے بہت وسیع مغفرت والا ہے۔۔۔''۔

ہر گناہ کو ''فاحشہ'' کہا جاتا ہے، جیسے زنا کو۔

لفظ ''لمم'' کے لئے مختلف معنی نقل ہوئے ہیں، جیسے:

۱۔ ایسے گناہ جو ناخواستہ طور پر ہوں اور ان کو مکرر انجام نہ دیا جائے۔

۲۔ ایسے گناہ جن کے انجام دینے کا ارادہ کرلیا گیا ہو لیکن انھیں انجام نہ دیا جائے۔

---

[1] ۔ سورہ نجم، آیت ۳۲

۳۔جس گناہ کے بعد عذر خواہی اور توبہ کی جائے۔

۴۔جن گناہوں پر عذاب کا وعدہ نہیں دیا گیا ہے۔

۵۔ایسے گناہ، جن کے انجام دینے پر کوئی حدّ معین نہ ہوئی ہو۔

خدا کی نافرمانی چاہے جیسی بھی ہو، بہت بڑی ہے، لیکن پھر بھی تمام گناہ ایک جیسے نہیں ہیں، جھوٹ اور غیبت جیسے گناہوں کی برائی زیادہ ہے اور ان کی سزائیں بھی سخت ہیں۔اس کے علاوہ گناہ کا زمانہ، گناہ کی جگہ، گناہگار کا ارادہ، گناہ کے سلسلہ میں جاننا یا نہ جاننا، گناہوں کو بار بار انجام دینا، یا بار بار انجام نہ دینا، گناہ میں اثر رکھتے ہیں۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: سب سے بدترین گناہ وہ ہے جسے انسان چھوٹا سمجھے: ''اشد الذنوب ما استخف به صاحبه''۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے گناہان کبیرہ کی فہرست اس طرح بیان کی ہے:

کسی کا قتل کرنا، زنا، چوری، شراب پینا، والدین کا ناراضی ہونا اور عاق والدین، میدان جنگ سے بھاگ جانا، یتیم کے مال کو ناحق تصرف کرنا، مُردار کا گوشت کھانا، خون پینا، خنزیر اور خدا کے علاوہ کسی دوسرے کے نام سے ذبح ہونے والے جانور کا گوشت کھانا، سود لینا دینا، رشوت لینا یا دینا، جُوا کھیلنا، کم تولنا، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا، لواط، ناحق گواہی دینا، رحمت خدا سے ناامید ہونا، خود کو عذاب الٰہی سے محفوظ سمجھنا، رحمت الٰہی سے مایوس ہونا، ظالموں کی مدد کرنا اور ان پر بھروسہ کرنا، جھوٹی قسم کھانا، دوسروں کے حقوق کو ادا نہ کرنا، جھوٹ بولنا، تکبر

کرنا، فضول خرچی کرنا، بربادی، خیانت کرنا، حج بجالانے میں کوتاہی کرنا اولیائے الٰہی سے دشمنی رکھنا، لہو ولعب میں مشغول رہنا اور کسی گناہ کا بار بار انجام دینا۔

بعض چیزیں اور شرائط گناہان صغیرہ کو گناہ کبیرہ میں بدل دیتے ہیں، جیسے: گناہ صغیرہ کو بار بار انجام دینا، گناہ کو ہلکا سمجھنا، گناہ کرتے وقت خوشی منانا، سرکشی کی بنیاد پر گناہ کرنا، خدا کی دی ہوئی مہلت پر مغرور ہونا، علی الاعلان گناہ کرنا بزرگ اور نمایاں افراد کا گناہ کرنا۔

گناہ کے نتائج اور آثار

گناہ اور نافرمانی کے اثرات انسان اور معاشرہ، مقام اور زمانہ میں نسل بعد نسل ظاہر ہوتے ہیں، جیسے: ضمیر کا عذاب (کیونکہ گناہ، عقل وضمیر کی مخالفت ہے) سنگدلی، نعمتوں کا چھن جانا، دعا کا قبول نہ ہونا، رزق میں کمی، نماز شب جیسی عبادت سے محروم ہونا، ناگہانی بلائیں، بارش نہ ہونا، گھر کی بربادی، ذلت و رسوائی، عمر کم ہونا، زلزلہ آنا، فقر وغربت، غم اور بیماری اور شر پسند لوگوں کا مسلط ہوجانا وغیرہ جیسے آثار مختلف آیات وروایات میں بیان ہوئے ہیں۔

گناہوں کی تلافی کے طریقے

۱۔ توبہ اور برائیوں کی تلافی: ''إِلاَّ مَنْ تابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلاً صالِحاً فَأُولئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّئاتِهِمْ حَسَناتٍ''۔[۱]

---

[۱] سورہ فرقان، آیت ۷۰

علاوہ اس شخص کے جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل بھی کرے کہ پروردگار اس کی برائیوں کو اچھائیوں میں تبدیل کردے گا۔

۲۔ایمان اور نیک کام کرنا:

{وَ الَّذینَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحاتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّئاتِهِمْ"۔[۱]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، ہم ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیں گے۔

۳۔اپنے لئے اور دوسروں کے لئے استغفار کرنا:

''فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ''؛[۲] ''پس وہ بھی اللہ سے استغفار کرو اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کریں''۔

۴۔نماز قائم کرنا:

''وَ أَقِمِ الصَّلاةَ ۔۔۔ إِنَّ الْحَسَناتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئاتِ''[۳]؛ ''نماز قائم کرو۔۔۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں''۔

۵۔گناہان کبیرہ سے اجتناب:

''إِنْ تَجْتَنِبُوا کَبائِرَ ۔۔۔ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ''[۴]؛ ''اگر تم گناہان کبیرہ سے پرہیز کروگے۔۔۔ تو ہم دوسرے گناہوں کی پردہ پوشی کردیں گے''۔

۶۔جہاد میں شرکت اور شہادت:

۱۔سورہ عنکبوت، آیت ۷

۲۔سورہ نساء، آیت ۶۴

۳۔سورہ ہود، آیت ۱۱۴

۴۔سورہ نساء، آیت ۳۱

''وَ قاتَلُوا وَ قُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئاتِهِم''؛[۱] ''جہاد کرو اور قتل ہوجاؤ کہ بےشک ہم ان کی برائیوں کوختم کردیں گے''۔

۷۔راہ خدا میں خرچ کرنا اور غریبوں کی مدد کرنا:

''الصدقۃ بالسرتکفرالخطیئۃ''۔

۸۔لوگوں کی مشکلات میں کام آنا:

''من کفارات الذنوب العظام، اغاثۃ الملھوف''۔

۹۔۱۰۔۱۱۔سلام کرنا، کھانا کھلانا اور نماز شب پڑھنا:

''ثلاث کفارات: افشاء السلام و اطعام الطعام، و الصلاۃ باللیل و الناس نیام''۔

۱۲۔محمد وآل محمد (علیہم السلام) پر صلوات پڑھنا:

''فانھا تھدم الذنوب ذنباً''۔

استغفار

''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنا وَ لِإِخْوانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونا بِالْإِيمانِ...''۔[۲]

''خدایا ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے''۔

استغفار یعنی کنویں سے نکل آنا اور توبہ، یعنی آگے قدم بڑھانا ہے۔

استغفار، گناہوں کی نابودی اور توبہ دل کی پاکیزگی کی طرف واپسی ہے۔

انبیائے الٰہی خود بھی استغفار کیا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی استغفار

۱۔سورہ آل عمران، آیت ۱۹۵

۲۔سورہ حشر، آیت ۱۰

کرنے کی تاکید کیا کرتے تھے: ''اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ''؛[۱] ہمیں خود بھی استغفار کرنی چاہئے اور اپنے لئے اولیائے الٰہی سے بھی استغفار کی درخواست کرنا چاہئے: ''یا ابانا استغفر لنا''، یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی اور میری موت دونوں تمہارے لئے خیر ہے؛ میری زندگی میں خداوند عالم تم سے عذاب کو دور رکھے گا اور میری وفات کے بعد میرے پاس تمہارے اعمال کے پیش ہونے اور تمہارے لئے میرا استغفار کرنا، تمہارے لئے خیر و نیکی کا سبب ہے۔

''وَ لَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جاؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّاباً رَحِيماً''۔[۲]

''۔۔۔اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتا تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے''۔

جیسا کہ مومنین کے حق میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا قبول ہوتی ہے: ''وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ، اسی طرح صالح افراد اور فرشتوں کی دعا بھی تاثیر رکھتی ہے: ایک مقام پر لوگوں کے لئے فرشتوں کی دعاؤں کا تذکرہ ہوا ہے: وَ يَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ''[۳]؛ اور دوسرے مقام پر مومنین کے لئے بیان ہوتا ہے: ''وَ يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا''۔[۴]

۱۔ سورہ ہود، آیت ۵۲

۲۔ سورہ نساء، آیت ۶۴

۳۔ سورہ شوری، آیت ۵

۴۔ سورہ غافر، آیت ۷

آسمانی رہبروں کی زیارت، اُن کے وسیلہ سے مدد طلب کرنے کے سلسلہ میں قرآن کریم نے تائید کی ہے۔

البتہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہوں کی بخشش کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ خدا کی بارگاہ میں بخشش کا وسیلہ ہیں۔ اس بنا پر خطا کار کو پہلی منزل پر شرمندہ ہونا چاہئے اور وہ اپنے پروردگار کی طرف پلٹے اور اس کے بعد خدا سے اپنے رابطہ کو مستحکم بنانے میں مقام رسالت سے مدد لے۔

''وَ ما کانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ وَ أَنْتَ فیہِمْ وَ ما کانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَہُمْ وَ ہُمْ یَسْتَغْفِرُونَ''[1]

''حالانکہ اللہ ان پر اس وقت تک عذاب نہ کرے گا جب تک پیغمبر، آپ ان کے درمیان ہیں اور خدا ان پر عذاب کرنے والا نہیں ہے اگر یہ توبہ اور استغفار کرنے والے ہو جائیں''۔

مذکورہ آیت میں عذاب نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی برکت سے مسلمانوں سے عام عذاب اٹھا لئے گئے ہیں، جیسا کہ گزشتہ قوموں پر عذاب آتا تھا، ورنہ تو بعض خاص موقع پر بعض لوگ عذاب الٰہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

نافرمانی اور بعض گناہوں کا انجام دینا، نزول بلا اور عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہے اور اس کی تلافی کا راستہ توبہ اور استغفار ہے: ''وَ ما کانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَہُمْ وَ ہُمْ یَسْتَغْفِرُونَ''[2] یا ''وَ ما کانَ رَبُّکَ لِیُہْلِکَ الْقُری بِظُلْمٍ وَ

۱۔ سورہ انفال، آیت ۳۳

۲۔ سورہ انفال، آیت ۳۳

أَهْلُها مُصْلِحُونَ''[1] جب تک لوگ، خیر وبھلائی اور اصلاح میں مشغول ہوں گے خداوند عالم ان کو ہلاک نہیں کرے گا۔

احادیث میں بیان ہوا ہے کہ خداوند عالم معاشرہ میں بعض نیک وصالح افراد اور علمائے ربّانی کی وجہ سے عذاب اور سختیوں کو ٹال دیتا ہے۔ جیسا کہ قوم لوط کے عذاب کا واقعہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عذاب کرنے والے فرشتوں سے کہا: ''إِنَّ فِيهَا لُوطاً''، کیا علاقہ میں ایک خدا کے سچے بندے کے رہتے ہوئے بھی اس سرزمین کو نابود کردو گے؟! تو فرشتوں نے کہا: ہمیں معلوم ہے کہ جناب لوط وہاں پر ہیں، اسی وجہ سے ہم نے اُن سے وہ علاقہ چھوڑ دینے کے لئے کہہ دیا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: دو امانوں میں ایک امان ہمارے درمیان سے جا چکی ہے، دوسری امان یعنی استغفار کی حفاظت کرتے رہنا۔

یا حضرت امام رضا علیہ السلام نے جناب زکریا بن آدم سے فرمایا: آپ شہر قم میں رہیں، جس طرح حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی برکت سے اہل بغداد سے بلا اٹھالی گئی ہے اسی طرح خداوند عالم تمہارے واسطہ سے اس شہر (قم) سے بلائیں دور رکھے گا۔

استغفار، بلاؤں کے نازل ہونے میں مانع ہوتی ہے، توبہ اور استغفار خداوند عالم کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ استغفار کے ذریعہ

---

[1] ۔ سورہ ہود، آیت ۱۱۷

امت کی تقدیر بدل جاتی ہے:

"وَ ما کانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَہُمْ وَ ہُمْ یَسْتَغْفِرُونَ"۔[۱]

گناہگاروں کو کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے؛ توبہ و استغفار اور اولیائے الٰہی کی زیارت کے ذریعہ اپنے نفس کو دوبارہ بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ البتہ مشرکین اور منافقین کے لئے توبہ واستغفار کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

"سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر"۔

❀❀❀❀❀

۱۔ سورہ انفال، آیت ۳۳

چوبیسواں درس

توبہ

قرآن کریم میں توبہ کی خصوصیات

''إلاّمَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ صالِحاًفَأُولئِکَ یَدْخُلونَ الْجَنَّةَ
وَ لا یُظْلَمُونَ شَیْئاً''۔[۱]

''علاوہ ان کے جنہوں نے توبہ کر لی، ایمان لے آئے اور عمل صالح کیا کہ وہ جنّت میں داخل ہوں گے اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

عام طور پر قرآن کریم نے عذاب کی آیات کے بعد ''الاّ الذین تابوا'' یا ''الاّ من تاب'' کا فقرہ بیان کیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اصلاح کا راستہ کبھی بھی کسی پر بند نہیں ہوا ہے۔

توبہ کرنا واجب ہے؛ کیونکہ خدا کا فرمان ہے ''توبوا الی اللّٰہ''۔(۱۴۰)

حقیقی توبہ، یقینی طور پر قبول ہوتی ہے، کیونکہ یہ محال ہے کہ ہم اللہ کے حکم کے مطابق توبہ کریں لیکن وہ قبول نہ کرے: ''هو الذی یقبل التوبة عن

۱۔ سورہ مریم، آیت ٦٠

عبادہ''، اور ''**ھو التواب الرحیم**''۔

خداوند عالم توبہ کو قبول بھی کرتا ہے اور بہت زیادہ توبہ کرنے والوں کو دوست بھی رکھتا ہے: ''**یحبّ التوابین**''۔

توبہ، نیک عمل کے ساتھ اور گناہوں کی تلافی کے ساتھ ساتھ ہو: ''**تاب و عمل صالحاً**''، ''**تاب من بعدہ و اصلح**''، ''**تابوا و اصلحوا و بیّنوا**''۔

توبہ، کامیابی کا راز ہے: ''**توبوا۔۔۔ لعلکم تفلحون**''۔

توبہ کے ذریعہ برائیاں، نیکیوں میں بدل جاتی ہیں: ''
الّا من تاب و عمل صالحاً فاولئک یبدّل اللّٰہ سیئاتھم حسنات''۔

توبہ، باران رحمت کے نزول کی باعث اور آسمانی برکتوں کے نازل ہونے کا سبب ہے: ''**توبوا یرسل السّماء**''۔

توبہ، رزق میں برکت کا سبب ہے: ''**توبوا الیہ یمتّعکم متاعاً حسناً**''۔

توبہ، موت اور عذاب کے آثار دیکھنے کے بعد قابل قبول نہیں ہے:
''**حتی اذا حضر احدھم الموت قالَ انّی تبتُ الان**''۔

خداوند عالم توبہ قبول کرنے کے علاوہ ایک خاص لطف بھی فرماتا ہے: ''**ھو التواب الرّحیم**''، ''**ثم تاب و اصلح فانّہ غفور رحیم**''، ''**ثم تاب علیھم انّہ بھم رئوف رحیم**''، ''**ثمّ توبوا الیہ انّ ربّی رحیم ودود**''، ان تمام آیات میں توبہ کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کی رحمت و مہربانی اور اس کی محبت کی طرف بھی اشارہ ہوا ہے۔

قرآن کریم نے توبہ نہ کرنے کو ظلم اور باعث ہلاکت قرار دیا ہے:

"و من لم یتب فاولئک هم الظالمون"، "ثم لم یتوبوا فلهم عذاب جهنّم"

توبہ قبول ہونے کے شرائط

سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۷ میں توبہ قبول ہونے کے بعض شرائط کی طرف اشارہ ہوا ہے:

"إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ كانَ اللّٰهُ عَلِيماً حَكِيماً"۔[1]

"توبہ خدا کے ذمہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت کی بناء پر برائی کرتے ہیں اور پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں کہ خدا ان کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے وہ علیم و دانا بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی"۔

الف) گناہ، جہالت و نادانی اور گناہ کے انجام سے بے توجہی کی بنیاد پر ہو، نہ کہ کفر اور دشمنی کی بنا پر۔

ب) انسان کو جلد از جلد توبہ کرنا چاہئے، قبل اس کے گناہ کے آثار اس پر مرتب ہوں یا گناہ کرنا اس کی عادت بن جائے، یا خداوند عالم کا قہر و غضب نازل ہو جائے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: انسان جو بھی گناہ کرتا ہے اگرچہ، آگاہی کی صورت میں ہو، تو بھی درحقیقت وہ جاہل ہے، کیونکہ اُس نے خود کو خدا کے قہر و غضب کے مقابلہ میں قرار دیا ہے۔

البتہ جس گناہگار نے توبہ کر لی ہو وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہ ہو اور اُس بچہ کی طرح ہو جاتا ہے جو شکم مادر سے ابھی پیدا ہوا ہو۔

---

[1] ۔ سورہ نساء، آیت ۱۷

توبہ کا نجات بخش ہونا

"فَلَوْ لا كانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَها إيمانُها إِلاَّ قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنا عَنْهُمْ عَذابَ الْخِزْيِ فِي الْحَياةِ الدُّنْيا وَ مَتَّعْناهُمْ إِلى حينٍ"۔[1]

"پس کوئی بستی ایسی کیوں نہیں ہے جو ایمان لے آئے اور اس کا ایمان اسے فائدہ پہنچائے علاوہ قوم یونس کے کہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے زندگانی دنیا میں رسوائی کا عذاب دفع کر دیا اور انہیں ایک مدّت تک چین سے رہنے دیا"۔

تفاسیر میں بیان ہوا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے برسوں تک لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دی؛ لیکن ان لوگوں میں سے صرف دو لوگ ایمان لائے، ایک عابد شخص اور دوسرا حکیم عالم۔ آپ نے عابد کے مشورہ کے مطابق لوگوں پر نفرین کی اور ان کے درمیان سے چلے گئے۔ لیکن انھیں نہیں معلوم تھا کہ خداوند عالم اس کام کی وجہ سے ان کی زندگی میں سختیاں پیدا کر دے گا۔

جناب یونس علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے تا کہ کسی دوسرے علاقہ میں چلے جائیں، اچانک راستہ میں کشتی ایک بڑی مچھلی سے ٹکرانے کی وجہ سے مشکل کا شکار ہوگئی اور قریب تھا کہ کشتی میں سوار تمام لوگ غرق ہو جاتے۔ کشتی کے مالکوں نے طے یہ کیا کہ اس بلاء سے نجات پانے کے لئے ایک شخص کو دریا میں پھینک دیں تا کہ اس مصیبت سے رہائی مل سکے اور جب قرعہ ڈالا گیا تو جناب یونس علیہ السلام کا نام نکلا، لہٰذا آپ کو فوراً دریا میں ڈال دیا گیا، آپ کو فوراً ہی اس مچھلی نے

---

[1]۔ سورہ یونس، آیت ۹۸

نگل لیا، لیکن حکم خدا سے مچھلی نے آپ کو ہضم نہیں کیا۔

جناب یونس علیہ السلام نے شکم ماہی کی تاریکیوں اور پانی کی گہرائیوں میں اپنے ظلم اور لوگوں کے درمیان سے بے محل نکل جانے کا اندازہ لگایا اور اپنی اس غلطی کا اقرار کیا، تو خداوند عالم نے آپ کی دعا قبول کی، اور آپ کو اس حالت سے نجات دی۔ اس کے بعد سے جناب یونس کا لقب ''ذوالنون'' (یعنی مچھلی والے) ہوگیا جس کی تفصیل سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۸۷ / تا ۸۸ میں بیان ہوئی ہے۔

کچھ مدت بعد جناب یونس علیہ السلام اس علاقہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ وہ قوم ہلاک نہیں ہوئی ہے، آپ نے سبب دریافت کیا تو انھوں نے واقعہ کی تفصیل بیان کی کہ وہ حکیم و دانا مومن آپ کی نفرین پر عذاب کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد ایک بلندی پر گیا اور لوگوں کو خبردار کیا، لوگ متاثر ہوئے اور اس کی رہنمائی کی بنا پر توبہ کے لئے شہر سے باہر نکل گئے اور اپنے بچوں اپنے سے الگ کر دیا اور خدا کی بارگاہ میں نالہ و فریاد اور توبہ کرنے لگے، تو خداوند عالم نے بھی انھیں بخش دیا اور انھیں یقینی عذاب سے نجات دیدی۔

جی ہاں انسان اپنے کو خطرناک موڑ پر بھی بچا سکتا ہے اور ایمان اور بروقت توبہ کے ذریعہ عذاب الٰہی کو ٹال سکتا ہے، اور دعا و مناجات کے ذریعہ بلاؤں کو بھی دور کر سکتا ہے اور کامیاب بھی ہوسکتا ہے۔

جناب یونس کی قوم کی توبہ کا واقعہ آدھی آیت میں اشارہ کی صورت میں بیان ہوا ہے لیکن اس سورہ کا نام ہی سورہ یونس رکھا گیا ہے۔ شاید جناب یونس کی

قوم کی اہمیت اور اس کام کی حسّاسیت کی وجہ ہو کہ انھوں نے آخری لمحات میں توبہ کی اور خداوند عالم نے بھی اُن کی توبہ قبول کر لی۔

❁❁❁❁❁

پچیسواں درس

قیامت

قیامت کا حساب و کتاب

''اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسابُهُمْ وَ هُمْ فی غَفْلَةٍ مُعْرِضُونَ''۔[1]

''لوگوں کے لئے حساب کا وقت آ پہنچا ہے اور وہ ابھی غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں اور کنارہ کشی کئے جا رہے ہیں''۔

اس آیت سے درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ سبھی لوگوں سے سوال کیا جائے گا:

''فلنسئلنّ الذین ارسل الیهم و لنسئلنّ المرسلین''۔

۲۔ تمام اعمال کا حساب و کتاب ہوگا: ''لتُسئلن عمّا کنتم تعملون''۔

۳۔ تمام حالات کی رسیدگی ہوگی:

''اِن تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم به اللّٰه''۔

۴۔ انسانی بدن کے تمام اعضاء سے سوال کیا جائے گا:

---

[1] ۔ سورہ انبیا، آیت ۱

"اِنّ السمع و البصر و۔۔۔ کلّ اولئک کان عنہ مسئولا"۔

۵۔ خداوند عالم کی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا:

"و لتسئلنّ یومئذٍ عن النعیم"۔

۶۔ تمام کام جہاں بھی انجام دئے ہوں اور جس مقدار میں بھی کئے ہوں وہ سب حاضر ہوجائیں گے: "ان تک مثقال حبّۃ من خردل فتکن فی صخرۃ"۔

پہلا سوال نماز کے بارے میں کیا جائے گا اور اہم چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا، جیسے: جوانی، عمر، کاروبار اور اس کے خرچ کے بارے میں سوال ہوگا، مخصوصاً رہبری اور ولایت کے بارے میں سوال ہوگا۔ حساب کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ خود خداوند عالم حساب لے گا: "کفیٰ بنا حاسبین"۔

قیامت میں حساب و کتاب کی قسمیں

قیامت میں لوگوں کا چند طرح سے حساب و کتاب ہوگا:

۱۔ ایک گروہ کا حساب آسان ہوگا: "حساباً یسراً"۔

۲۔ بعض لوگوں کا حساب بہت دقیق اور سخت ہوگا: "حساباً شدیداً"۔

۳۔ بعض لوگ بغیر حساب و کتاب کے دوزخ میں جائیں گے اور ان کے حساب و کتاب کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی: "فلانقیم لھم یوم القیامۃ وزناً"۔

۴۔ بعض لوگ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے:

"انّما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب"۔

متعدد روایات کے پیش نظر، نتیجہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ جو لوگ، دوسروں کے ساتھ بخشش، درگذر اور مہربانی کا سلوک کرتے ہیں، اُن کا حساب و کتاب آسان ہوگا اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا حساب بھی سخت

ہوگا۔ مشرکین، بغیر حساب و کتاب کے دوزخ میں جائیں گے اور صبر کرنے والے بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ (۱۴۱)

نامہ اعمال

"وَ كُلَّ إِنسانٍ أَلْزَمْناهُ طائِرَهُ فی عُنُقِهِ وَ نُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ كِتاباً يَلْقاهُ مَنْشُوراً"۔[1]

"اور ہم نے ہر انسان کے نامۂ اعمال کو اس کی گردن میں آویزاں کر دیا ہے اور روز قیامت اسے ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح پیش کر دیں گے"۔

قرآن کریم میں بار بار نامۂ اعمال کے مسئلہ کی طرف اشارہ ہوا ہے اور مختلف آیات میں بہترین نکات بیان ہوئے ہیں، جیسے:

۱۔ نامہ اعمال، سب انسانوں کے لئے ہے:

"کلّ انسان الزمناہ طائرہ۔۔۔"۔

۲۔ اس میں تمام اعمال موجود ہیں: "لا یغادر صغیرۃً و لا کبیرۃً"۔

۳۔ مجرم لوگ اس سے ڈرتے ہیں:

"فتَری المجرمین مشفقین ممّا فیه"۔

۴۔ انسان اپنے نامۂ عمل کو پڑھنے کے بعد خود ہی فیصلہ کرے گا: "اَقراء کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیباً"۔

۵۔ کامیاب ہونے والوں کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں ہوگا اور دوزخیوں کا نامہ اعمال اُن کے بائیں ہاتھ میں ہوگا:

"اوتی کتابه بیمینه۔۔۔ بشماله"۔

---

[1] ۔ سورہ اسراء، آیت ۱۳

قیامت میں گواہی دینے والے

۱۔ خداوند عالم، جو کہ تمام اعمال پر شاہد ہے: ''ان اللہ علی کل شیء شھیداً''۔

۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ''فکیف اذا جئنا من کل امّة بشھید و جئنا بک علی ھولاء شھیداً''، کیا حال ہے ان کا اس دن میں کہ جب ہر امت کے لئے گواہ لائے جائیں گے اور تمہیں ان کے اوپر گواہ قرار دیں گے۔

۳۔ ائمہ معصومین علیہم السلام۔ ''و کذلک جعلناکم امّة وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس''، ہم نے تمہیں امت وسط قرار دیا ہے تا کہ لوگوں پر گواہ قرار پاؤ۔ روایات کے مطابق امتّ (وسط) سے مراد ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں، کیونکہ امت کے دوسرے افراد، گواہی دینے کے لئے لازمی علم اور عصمت نہیں رکھتے۔

۴۔ فرشتے: ''و جائت کلّ نفس معھا سائقٌ و شھید''۔ قیامت میں انسان کے ساتھ دو فرشتے آئیں گے، اُن میں سے ایک انسان کو آگے کی سمت ڈھکیلے گا اور دوسرا اس کا گواہ ہوگا۔

۵۔ زمین: ''یومئذ تحدّث اخبارھا''، قیامت میں زمین اپنی خبروں کو بیان کرے گی۔

۶۔ ضمیر: ''اقراء کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیباً'' اپنے نامہ عمل کو پڑھ لو اور خود ہی فیصلہ کر لو کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

۷۔ اعضائے بدن: ''یوم تشھد علیھم السنتھم و ایدیھم و ارجلھم''؛ قیامت کے دن انسان کے ہاتھ پیر اور زبان، اس کے خلاف گواہی

دیں گے۔

۸۔زمانہ: حضرت امام سجاد علیہ السلام صحیفہ سجادیہ کی چھٹی دعا میں فرماتے ہیں:''ھذا یومٌ حادث جدید و ھو علینا شاھدٌ عتید''؛یہ ایک نیا دن ہے کہ قیامت میں اعمال پر گواہ وہ ہے جس(زمانہ) میں تم نے اعمال انجام دیئے ہیں۔

۹۔عمل:''وجدوا ما عملوا حاضراً''؛ قیامت میں انسان کے اعمال مجسم ہوں گے اور انسان کے سامنے ظاہر ہوں گے۔

ہم دوسروں کو معاف کریں تا کہ ہماری بھی بخشش ہو سکے

خداوندعالم کے لطف و کرم کو حاصل کرنے کے لئے ایک راستہ پایا جاتا ہے،قرآن کریم میں ارشاد خدا ہوتا ہے:''وَ لْیَعْفُوا وَ لْیَصْفَحُوا أَلا تُحِبُّونَ أَنْ یَغْفِرَ اللهُ لَکُمْ''[۱]؛ہر ایک کو معاف کرنا چاہئے اور درگذر کرنا چاہئے کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خدا تمہارے گناہوں کو بخش دے''۔

قیامت کا دن،حساب و کتاب اور جزا وسزا کا دن ہے؛وہ تنہائی کا دن ہے، ابھی سے ہمیں اپنی (تنہائی) کی فکر ہونی چاہئے۔خداوندعالم کے لطف و کرم کو دریافت کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آج ہم بھی دوسروں پر لطف و کرم کریں،اگر ہم نے دوسروں پر لطف و کرم کیا تو ہم پر بھی لطف و کرم ہوگا۔بہت سے لوگ گزشتہ ماہِ رمضان میں تھے لیکن اس سال نہیں ہیں اور شاید یہ رمضان المبارک ہماری عمر کا آخری ماہِ رمضان ہو۔

❀❀❀❀❀

۱۔سورہ نور،آیت ۲۲

چھبیسواں درس

''انفاق'' یعنی راہ خدا میں خرچ کرنا

راہ خدا میں خرچ کے اقسام

''یَسئَلُونَکَ ماذا یُنفِقُونَ قُلْ ما أَنفَقْتُمْ مِنْ خَیرٍ فَلِلْوالِدَینِ وَ الْأَقْرَبینَ وَ الْیَتامی وَ الْمَساکینِ وَ ابْنِ السَّبیلِ وَ ما تَفْعَلُوا مِنْ خَیرٍ فَإِنَّ اللّٰہَ بِہِ عَلیمٌ''[1]

''پیغمبر یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیا خرچ کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ جو بھی خرچ کرو گے وہ تمہارے والدین، قرابتداروں، ایتام، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہوگا اور جو بھی کار خیر کرو گے خدا اُسے خوب جانتا ہے''۔

راہ خدا میں خرچ کرنے کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ واجب انفاق: جیسے خمس، زکوٰۃ، کفّارات، فدیہ اور (مرد پر اہل وعیال کا) نفقہ۔

۲۔ مستحب انفاق: جیسے غریبوں اور یتیموں کی مدد کرنا، اور دوستوں کو تحفہ

---

[1] ۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۱۵

دینا۔

۳۔حرام انفاق: جیسے غصبی مال سے انفاق کرنا یا گناہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

۴۔انفاق مکروہ: جیسے اپنے مستحق رشتہ داروں کو چھوڑ کر دوسرے مستحقین کو دینا۔

۵۔مباح انفاق: جیسے زندگی میں مزید آسائش کے لئے دوسرں پر انفاق کرنا، کیونکہ فقر اور غربت دور ہونے کے لئے انفاق واجب یا مستحب ہے۔

بہترین انفاق

''لَنْ تَنالُوا الْبِرَّ حَتّی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔۔۔''۔[1]

''تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہِ خدا میں انفاق نہ کرو''۔

لفظ''برّ'' وسیع خیر و برکت اور زراعت وسکونت کے لئے تیار زمین کو کہتے ہیں، اور لفظ''برّ'' کے لغوی اشتقاق کے پیش نظر جو خیر و برکت میں وسعت کے معنی میں ہے، قرآن کریم میں ایمان، عمل صالح، جہاد، نماز اور وعدوں کو وفا کرنے کو''برّ'' کے نمونوں کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ سبھی کو تاکید ہوئی ہے کہ نیکی کو انجام دینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں:''تعاونوا علی البِرّ'' اور اس گرانقدر گوہر تک مذکورہ آیت میں بیان ہونے والی چیزوں کے ذریعہ پہنچا جاسکتا ہے۔

مومنوں کے انفاق کے چند نمونے

۱۔ابوطلحہ انصاری کا مدینہ میں خرموں کا سب سے بڑا باغ تھا اور یہ بہت

---

[1] ۔سورہ آل عمران، آیت ۹۲

خوبصورت اور بہترین باغ تھا جس کی درآمدنی بھی بہت اچھی خاصی تھی اور یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے واقع تھا، اس کے درمیان ایک چشمہ جاری تھا، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے تھے اور اس چشمہ سے پانی پیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب یہ آیت ''لَنْ تَنالُوا الْبِرَّ حَتّٰی'' نازل ہوئی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: میرے پاس سب سے زیادہ محبوب چیز یہی باغ ہے اور میں اُسے راہ خدا میں انفاق کرنا چاہتا ہوں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تو ایک اچھی تجارت ہے، بہت خوب، لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ باغ اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں سے کسی غریب شخص کو دینا۔ چنانچہ اس نے یہ بات مان لی اور باغ کو اپنے خاندانی رشتہ داروں کو دیدیا۔

۲۔ جب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ کو شادی کی رات، اُن کے شوہر کے گھر لے جایا جارہا تھا، تو ایک فقیر نے بی بی سے ایک پرانے لباس کی درخواست کی، تو بی بی کو آیہ شریفہ: ''لن تنالوا البرّ'' یاد آئی تو آپ نے اپنی شادی کا لباس اُسے عطا کردیا اور خود پرانا لباس پہن لیا۔

۳۔ جناب ابوذر کے گھر میں کچھ مہمان آئے تو جناب ابوذر نے کہا: میں چونکہ مشکل میں مبتلا ہوں، تم خود میرے ایک اونٹ کو نحر (ذبح) کرکے کھانا تیار کرلو، چنانچہ انھوں نے ایک پتلے دبلے اونٹ کا انتخاب کیا۔ جناب ابوذر ناراض ہوئے اور اُن سے سوال کیا: تم نے کوئی فربہ اور موٹا اونٹ کا انتخاب کیوں نہیں کیا؟ انھوں نے جواب دیا: موٹے اونٹ کو تمہاری ضرورت کے لئے چھوڑ دیا ہے، تو

جناب ابوذر نے فرمایا: میری ضرورت کا وقت، میری قبر ہے۔

سائل کا ہاتھ، خدا کا ہاتھ ہوتا ہے

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: صدقہ، اس وقت تک کسی غریب کے ہاتھ میں نہیں جاتا جب تک خدا کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے، اور پھر امام علیہ السلام نے سورہ بقرہ کی اس آیت کی تلاوت کی:

"أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبادِهِ وَ يَأْخُذُ الصَّدَقاتِ"۔[1]

"کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور زکوٰۃ و خیرات کو وصول کرتا ہے"۔

لہٰذا جب صدقہ لینے والا خود خداوند عالم ہے، تو پھر یقین کے ساتھ غریبوں پر انفاق کریں اور اُنھیں اپنا مال بخشیں اور بہترین جنس اور بہترین طریقہ سے عطا کریں۔

جب راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مال ستر برابر یا اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے تو پھر راہِ خدا میں اپنی جان اور اپنا خون دینا، کتنی اہمیت رکھتا ہوگا؟

شہادت، جان کا انفاق

"وَ لا تَحْسَبَنَّ الَّذينَ قُتِلُوا في سَبيلِ اللّٰهِ أَمْواتاً بَلْ أَحْياءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ"؛[2]

اور خبردار راسِ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرنا وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں۔

۱۔ سورہ توبہ، آیت ۱۰۴

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۹

ہم چونکہ شہیدوں کو زندہ مانتے ہیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہونے والے شہیدوں مخصوصاً شہدائے کربلا کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں ان سے گفتگو کرتے ہیں اور اُن سے توسل کرتے ہیں۔

ہم یہاں پر شہید اور شہادت کے بارے میں چند نکات بیان کرتے ہیں:

۱۔ روایات میں بیان ہوا ہے کہ خداوند عالم کی طرف سے شہید کو سات خصوصیات عطا ہوتی ہیں: اس کے خون کا پہلا قطرہ، اس کے گناہوں کی بخشش ہوتا ہے، اس کا سر جنت کی حوروں کی آغوش میں ہوتا ہے، انھیں بہشتی لباس پہنایا جاتا ہے، جنت کی خوشبو سے انھیں معطر کیا جاتا ہے، انھیں جنت میں ان کے مقام وعظمت کو دکھایا جاتا ہے، انھیں پوری جنت میں آنے جانے کی اجازت دی جاتی ہے، ان کی آنکھوں سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ خداوند عالم کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۲۔ روایت میں بیان ہوا ہے: ہر نیکی سے بڑھ کر دوسری نیکی ہے لیکن شہادت سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہے۔

۳۔ قیامت کے دن، شہید شفاعت کرے گا۔

۴۔ راہ خدا میں جہاد کرنے والے جنت کے ایک مخصوص دروازہ سے داخل ہوں گے اور سب سے پہلے بہشت میں جائیں گے اور بہشت میں بھی ان کا ایک مخصوص مقام ہوگا۔

۵۔ حضرت علی علیہ السلام اپنی دسیوں فضیلتوں کے باوجود جب شہادت کے درجہ فائز ہونا چاہتے تھے تو آپ نے فرمایا: ''فزتُ بربّ الکعبۃ''، آپ نے

سب سے پہلے ایمان کا اظہار کیا، (شب ہجرت) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی تھے، صرف آپ ہی کا دروازہ مسجد النبوی کی طرف کھلتا تھا، گیارہ اماموں کے باپ اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے شوہر تھے، بت شکن تھے، روز خندق، آپ کی ایک ضربت، ثقلین کی عباتوں سے بھی افضل تھی، لیکن آپ نے کسی بھی مقام پر نہیں فرمایا: ''فزتُ'' میں کامیاب ہوگیا۔

۶۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''قسم اُس خدا کی کہ فرزند ابوطالب کی جان اس کے ہاتھوں میں ہے، خدا کی راہ میں تلوار کے ایک ہزار وار میرے لئے بستر پر مرنے سے زیادہ آسان ہے''۔

بہترین عمل

''خَلَقَ السَّماواتِ وَ الْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ''۔[1]

''اسی نے آسمان وزمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت کو بھی انتہائی حسین بنایا ہے اور پھر اسی کی طرف سب کی بازگشت بھی ہے''۔

۱۔ خداوند عالم کے تمام کام، بہترین ہیں:
''فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین''۔

۲۔ یہ کتاب، قرآن کریم، بہترین ہے: ''نزّل احسن الحدیث''۔

۳۔ اس کے بیان کئے ہوئے واقعات بہترین ہیں:
''احسن القصص''۔

۴۔ اس کے نام بہترین نام ہیں: ''وللّٰہ الاسماء الحسنیٰ''۔

---

[1] ۔ سورہ تغابن، آیت ۳

۵۔اس کی جزا بہترین ہے: ''فلہ جزاء الحسنیٰ''۔

۶۔اس کے وعدے بہترین وعدے ہیں: ''وعد اللہ الحسنیٰ''۔

۷۔اس کا حکم بہترین حکم ہوتا ہے: ''و من احسن من اللہ حکماً''۔

اسی وجہ سے خداوند عالم نے ہم سے یہ چاہا ہے کہ ہم تمام کاموں میں سے بہترین کام کا انتخاب کریں، جیسے:

۱۔باتیں کرتے وقت، بہترین بات کا انتخاب کریں:
''یقولوا التی ھی احسن''۔

۲۔عمل کے میدان میں بہترین عمل کا انتخاب کریں: ''احسن عملاً''۔

۳۔دوسروں سے بہترین سلوک کریں: ''ادفع باللتی ھی احسن''۔

۴۔بحث ومجادلہ میں بہترین طریقہ کا انتخاب کریں:
''جادلھم بالتی ھی احسن''۔

۵۔شکر اور سپاس گزاری میں بہترین طریقہ کا انتخاب کریں:
''فحیّوا باحسن''۔

۶۔سننے والی باتوں میں سے بہترین کا انتخاب کریں اور اس پر عمل کریں:
''یستمعون القول فیتبعون احسنہ''۔

۷۔یتیم کے مال کو استعمال کرتے ہوئے بہترین طریقہ سے کام لیں:
''لاتقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن''۔

۸۔اپنے محرکات میں خلوص اور قصد قربت کے ساتھ بہترین نیت کے ذریعہ اپنے عمل کو الٰہی رنگ دیں: ''و من احسن من اللہ صبغۃ''۔

❁❁❁❁❁

ستائیسواں درس

مسجد

مسجد کی اہمیت

''وَ أَنَّ الْمَساجِدَ لِلّٰهِ فَلا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَداً''۔[1]

''اور مساجد سب اللہ کے لئے ہیں لہٰذا اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا''۔

۱۔ زمین پر سب سے پہلے عمارت، مسجد تھی:

''انّ اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا''۔

۲۔ مسجد کی عظمت ایک خاص تقدس رکھتی ہے جیسا کہ مومنین نے کہا:

''اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے شہر کے چین وسکون کی زندگی کو چھوڑ کر بیابان اور غار میں پناہ لینے والے اصحاب کہف کے مزار پر مسجد بنائی جائے:

''لنتخذن علیهم مسجداً''۔

۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے مسجد بنائی:

---

[1] ۔ سورہ جن، آیت ۱۸

"لمسجد اسّس علی التقوی من اوّل یوم"۔

۴۔قرآن کریم میں مسجد الحرام کا تذکرہ دس بار سے بھی زیادہ ہوا ہے۔

۵۔خداوند عالم نے مسجد کو اپنا گھر قرار دیا اور لوگوں میں سب سے افضل اور دو بڑے پیغمبر یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو اس کا خدمت گزار قرار دیا: "طھّرا بیتی"۔

۶۔مسجد میں جانے کے لئے زینت اور پاکیزگی کی تاکید ہوئی ہے:
"خذوا زینتکم عند کل مسجد"۔

۷۔اگر مسجد کو تقوی کی بنیاد پر نہ بنایا جائے اور وہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف پھیلانے کے لئے بنائی جائے تو اسے مسمار کر دینا چاہیئے:
"مسجداً ضراراً"۔

۸۔مسجد کا تقدس اس حد تک ہے کہ ہر شخص کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ہے: "ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللّٰہ"، اور یہ کام متقی اور شجاع مومنین کا ہے جو خدا کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں ڈرتے: "
انّما یعمر مساجد اللّٰہ من آمن باللّٰہ۔۔۔ولم یخش الّا اللّٰہ"۔

۹۔مسجد اور دیگر ادیان الٰہی کی عبادت گاہیں جیسے یہود و نصاریٰ کا گرجا گھر اور عبادتگاہیں، اتنی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں کہ ان کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگائی جاسکتی ہے: "لھدّمت صوامع و بیع و صلوات"، اگر خداوند عالم شجاع اور انقلابی لوگوں کے ذریعہ نااہل لوگوں کی شرارت میں مانع نہ ہوتو پھر مختلف ادیان کی تمام عبادت گاہیں نابود ہوجائیں گی۔

۱۰۔مسجد اور اس میں حاضری کے کچھ آداب اور شرائط ہیں جیسے: مسجد میں

بلند آواز سے گفتگو نہ کرنا، باطل باتیں مسجد میں نہ کرنا، خرید اور فروخت کے بارے میں گفتگو نہ کرنا اور بیہودہ باتوں سے پرہیز کرنا۔

۱۱۔ مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر ثواب ملتا ہے۔

۱۲۔ (وقت) نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے کا اجر و ثواب ملتا ہے۔

۱۳۔ جس مسجد میں نماز نہ پڑھی جائے وہ شکایت کرتی ہے۔

۱۴۔ مسجد کا پڑوسی اگر مسجد میں نماز نہیں پڑھتا تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

۱۵۔ خداوند عالم مسجد میں جانے والوں کی وجہ سے دوسروں سے عذاب دور کر دیتا ہے۔

مسجد جانے والوں کے لئے احادیث میں بہت زیادہ فائدہ ذکر ہوا ہے، جیسے: دوست اور دینی برادر سے ملاقات، مفید معلومات کا حاصل ہونا، ارشاد و ہدایت اور گناہوں سے دوری، خدا کی نعمت اور اس کی رحمت کا شامل حال ہونا۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو مسجد میں آتے جاتے دیکھو اس کے ایمان کی گواہی دو۔

مسجد کی تعمیر اور اُسے آباد رکھنا

''إِنَّما يَعْمُرُ مَساجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ أَقامَ الصَّلاةَ وَ آتَى الزَّكاةَ وَ لَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللّٰهَ فَعَسى أُولئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدينَ''۔[۱]

''اللہ کی مسجدوں کو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جن کا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہوتا ہے اور جنھوں نے نماز قائم کی ہے زکوٰۃ ادا کی ہے اور سوائے خدا

۱۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۸

کے کسی سے نہیں ڈرے، یہی وہ لوگ ہیں جو عنقریب ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کئے جائیں گے''۔

مسجد، مسلمانوں کا عبادی اور اجتماعی اہم مرکز ہے۔ اس بنا پر اس کے متولی کو صالح اور نیک ہونا چاہئے اور اس کے پروگرام بھی مفید اور تربیت کرنے والے ہوں، اور اس کا خرچ بھی جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے اور مسجد میں آنے والے لوگ بھی باتقویٰ اور خدا کے اطاعت گزار اور شریف لوگ ہوں، لیکن اگر مسجد بنانے والے ظالم و جابر اور بادشاہ ہوں اور اس کے پیشنماز جاہل اور بزدل ہوں اور اس کے خادم سست اور بہت بوڑھے ہوں، تو ظاہر سی بات ہے کہ مسجد اپنے معنوی ہدف اور معنوی مقصد سے تک نہیں پہنچ سکتی۔

تفسیر صافی میں مرحوم فیض کاشانی کے بقول مسجد کی تعمیر، اس کی مرمّت صفائی، فرش، روشنی اور تدریس و تبلیغ سبھی کو شامل ہوتی ہے۔

زینت اور مسجد

''یابَنی آدَمَ خُذُوا زینَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَ کُلُوا وَ اشْرَبُوا وَ لا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لا یُحِبُّ الْمُسْرِفینَ''۔[1]

''اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اور ہر مسجد کے پاس زینت ساتھ رکھو اور کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے''۔

شاید (یہاں) یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں ''یا بنی آدم'' کا خطاب تمام انسانوں اور تمام ادیان سے متعلق اور سبھی کے لئے مشترک حکم ہے۔

---

[1] ۔ سورہ اعراف، آیت ۳۱

قرآن کریم نے مال اور اولاد کو ''زینت'' کہا ہے: ''**المال و البنون زینة الحیاة الدنیا**''، اس بنا پر ممکن ہے آیۂ شریفہ اس بات کو بیان کرنا چاہتی ہو کہ مسجد جاتے وقت مال اور اولاد کو ساتھ لے جانا ضروری ہے، تاکہ مال کے ذریعہ مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات کو حل کیا جاسکے اور اولاد کو مسجد میں ساتھ لے جانے سے آئندہ نسل کی تربیتی مشکل حل ہو جائے۔

روایات میں امام جماعت کا عادل ہونا، ظاہری طور پر آراستہ ہونا، عطر لگانا، نماز کے وقت اچھا لباس پہننا، نماز میں رکوع و سجود کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا، نماز عید اور نماز جمعہ میں شرکت کرنا، زینت کے مصداق شمار کئے گئے ہیں۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نماز کے وقت اور مسجد میں جاتے وقت اپنا بہترین لباس پہنا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''**ان اللّٰہ جمیل و یحبّ الجمال فاتجمل لربّی**''، خداوند عالم صاحب جمال ہے، جمال کو دوست رکھتا ہے اور میں اپنا خوبصورت لباس اپنے پروردگار کے لئے پہنتا ہوں اور پھر آپ مذکورہ آیت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

خداوند عالم جمال اور زینت کو دوست رکھتا ہے ورنہ اس کا حکم نہ دیتا ''**خذوا زینتکم**''، جیسا کہ اسلام ایک فطری مذہب ہے، اور انسان فطرتاً زینت پسند ہوتا ہے۔

مسجد میں زینت کے ساتھ جانا، بندگان خدا اور عبادت الٰہی کا احترام ہے اور یہ کام دوسروں کے مسجد میں آنے کی رغبت دلاتا ہے۔

اگرچہ زینت اور طعام سے محظوظ ہونا ایک فطری اور طبیعی چیز ہے، لیکن

خاص حالات میں جیسے: غریبوں اور نیازمندوں کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہئے۔ لہٰذا ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ حضرت امام صادق علیہ السلام کا لباس، جبکہ اس زمانہ میں لوگ نسبتاً آسائش و آرام میں تھے، حضرت علی علیہ السلام کے لباس سے فرق رکھتا تھا جبکہ اس زمانہ میں فقر و غربت کی زندگی تھی، کیونکہ دونوں کے اجتماعی حالات میں فرق تھا۔

مذکورہ آیت میں تھوڑا غور و فکر سے چند درج ذیل نکات اور پیغام حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے مرکز یعنی مسجد کو خوبصورت، آراستہ اور دلکش ہونا چاہئے: "**خذوا زینتکم عند کل مسجد**"۔

۲۔ بہترین اور ایک اچھا لباس، بہترین جگہ (مسجد) کے لئے ہونا چاہئے: "**خذوا زینتکم عند کل مسجد**"۔

۳۔ اسلام، نماز کے باطنی پہلو پر بھی توجہ کرتا ہے: "**فی صلاتھم خاشعون**" اور اس کے ظاہر پر بھی توجہ کرتا ہے: "**زینتکم عند کل مسجد**"۔ جی ہاں، اسلام میں ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہیں۔

۴۔ زینت، اگرچہ فرادی نماز میں بھی اہمیت رکھتی ہے لیکن اجتماع اور مسجد میں اس کی خاص اہمیت رکھتی ہے: "**عند کل مسجد**"۔

۵۔ پہلے نماز، اس کے بعد کھانا: "**عند کل مسجد و کلوا و اشربوا**"، پہلے روح اور معنویت پر توجہ اس کے بعد جسم پر توجہ۔

❁❁❁❁❁

اٹھائیسواں درس

اجتماعی آداب

دوست بنانے کے قوانین

''وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلی یَدَیْهِ یَقُولُ یا لَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبیلاً۔ یا وَیْلَتی لَیْتَنی لَمْ أَتَّخِذْ فُلاناً خَلیلاً۔ لَقَدْ أَضَلَّنی عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ إِذْ جاءنی وَ کانَ الشَّیْطانُ لِلْإِنْسانِ خَذُولاً''۔[1]

''اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش میں نے رسول کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس، کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو ذکر کے آنے کے بعد مجھے گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے ہی''۔

اسلام نے دوستی کرنے اور دوست کے انتخاب، دوست کی پہچان کے طریقے، دوستی کے حدود، معاشرت کے آداب اور دوستوں کے حقوق کے سلسلہ میں بہت زیادہ نصیحتیں کی ہیں اور بعض لوگوں کی دوستی کے لئے ترغیب دلائی ہے

---

[1]۔ سورہ فرقان، آیت ۲۷ تا ۲۹

اور بعض لوگوں کی دوستی سے روکا ہے، جیسے:

اگر کوئی شخص کسی دوست کے انتخاب میں شک وتردید میں مبتلا ہو تو اُسے چاہئے کہ اس کے دوستوں کو دیکھے کہ وہ کیسے لوگ ہیں: ''**فانظروا الی خُلَطائه**''۔

تنہائی، بُرے دوست سے بہتر ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: بہترین دوست کیسا ہوتا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا دیدار تمہیں خدا کی یاد دلائے اور جس کی باتوں سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کا کردار تمہارے اندر قیامت کی یاد کو زندہ کرے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہاری طاقت ختم ہوجائے تو تمہارے حقیقی دوست اور حقیقی دشمن کا پتہ چل جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اچھا دوست، بہترین رشتہ دار ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں بیان ہوا ہے: اپنے دوست کو غضب کے وقت، پیسے کے معاملہ میں اور سفر کے دوران امتحان کرو۔ اگر وہ ان امتحانات میں کامیاب ہو تو ایک اچھا دوست ہے۔

تا توانی می گریز از یار بد	یار بد بدتر بود از مارِ بد
مارِ بد تنہا تو را بر جان زند	یار بد بر جان و بر ایمان زند

(جتنا ممکن ہو بُرے دوست سے بچو، کیونکہ بُرا دوست تو خطرناک سانپ سے بھی بدتر ہوتا ہے، اس لئے کہ خطرناک سانپ تو تمہاری جان کے لئے خطرہ

ہےلیکن بُرا دوست تمہاری جان اور تمہارے ایمان کے لئے خطرہ ہے)

اخوت اور بھائی چارہ

''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ''[۱]

''مومنین آپس میں بالکل بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ شاید تم پر رحم کیا جائے''۔

اسلام کا ایک امتیاز یہ ہے کہ معاشرہ کی اصلاح، بنیادی طور پر شروع کرتا ہے، جیسے اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے: انسان اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے اُن کی فکری اور اعتقادی بنیادوں کی اصلاح کی جائے۔ تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں، تو جب سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو پھر یہ غصہ اور ناراضگی کیسی؟

اخوت اور بھائی چارگی کا منصوبہ اور اس لفظ کا استعمال، اسلام کی ایجاد ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آنحضرت ۷۴۰ / افراد کے ساتھ ''نخیلہ'' نامی علاقہ میں تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا: خداوندعالم نے فرشتوں کے درمیان عقد اخوت باندھا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کے درمیان عقد اخوت باندھا اور ہر شخص کسی دوسرے کا بھائی قرار پایا، مثلاً ابوبکر کو عمر کا بھائی، سلمان کو ابوذر کا بھائی، طلحہ کو زبیر کا بھائی اور مقداد کو عمار کا بھائی قرار دیا اور عائشہ اور حفصہ کے درمیان عقد برادری، ام سلمہ اور صفیہ کے درمیان عقد برادری پڑھا اور خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

۱۔ سورہ حجرات، آیت ۱۰

حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ عقد اخوت پڑھا۔

اخوت اور بھائی چارہ کا رابطہ صرف مردوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ لفظ عورتوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے: ''و ان کانوا اخوۃ رجالاً و نسائً'' (۱۴۴)

دوسروں کو بھائی بنانے سے زیادہ اہم چیز، اس بھائی چارہ کا تحفظ ہے۔ روایات میں اس شخص کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے جو اپنے دینی برادر کو چھوڑ دے اور اس بات کی تاکید ہوئی ہے کہ اگر تمہارے دینی بھائی تم سے دوری اختیار کریں تو تم ان کے ساتھ رفت و آمد رکھو۔ ''صِلْ مَن قطعک''۔ (۱۴۵)

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''مومن، ایک جسم کی طرح ایک دوسرے مومن کا بھائی ہے، اگر جسم کے ایک حصہ میں درد ہو تو پورا بدن پریشان اور غمگین ہو جاتا ہے''۔

مسلمان بھائیوں کا ایک دوسرے پر حق

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی پر تیس حق رکھتا ہے اور ہر شخص کو اپنے دوسرے بھائی کا حق ادا کرنا چاہئے، جیسے:

۱۔ ایک دوسرے کی نسبت بخشش و مہربانی سے کام لینا، ۲۔ ایک دوسرے کے رازوں کی پردہ پوشی کرنا، ۳۔ ایک دوسرے کی خطاؤں کی تلافی کرنا، ۴۔ ایک دوسرے کی معذرت قبول کرنا، ۵۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ایک دوسرے کا دفاع کرنا، ۶۔ ایک دوسرے کی نسبت خیر و بھلائی کرنا، ۷۔ ایک دوسرے کو دئے ہوئے وعدہ کو وفا کرنا، ۸۔ ایک دوسرے کی بیماری میں عیادت کرنا، ۹۔ ایک

دوسرے کے جنازہ میں شرکت کرنا، ۱۰۔ ایک دوسرے کی دعوت اور تحفہ کو قبول کرنا، ۱۱۔ ایک دوسرے کے ہدیہ پر جزا دینا، ۱۲۔ ایک دوسرے کی خدمت پر شکریہ ادا کرنا، ۱۳۔ ایک دوسرے کی مدد کی کوشش کرنا، ۱۴۔ ایک دوسرے کی ناموس (اہل خانہ) کی حفاظت کرنا، ۱۵۔ ایک دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا، ۱۶۔ ایک دوسرے کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرنا، ۱۷۔ ایک دوسرے کے گمشدہ کی رہنمائی کرنا، ۱۸۔ ایک دوسرے کے چھینکنے پر اس کے لئے دعائے خیر کرنا، ۱۹۔ ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا، ۲۰۔ ایک دوسرے کی گفتگو کا احترام کرنا، ۲۱۔ ایک دوسرے کے ہدیہ کو اچھی طرح تیار کر کے دینا، ۲۲۔ ایک دوسرے کی قسم کو قبول کرنا، ۲۳۔ ایک دوسرے کے دوست کو دوست رکھنا اور اس سے دشمنی نہ کرنا، ۲۴۔ ایک دوسرے کو حادثات میں اکیلا نہ چھوڑنا، ۲۵۔ ایک دوسرے کے سلسلہ میں وہی پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کرے۔ (۱۴۶)

صلح وصفائی کرانا

اسلام نے صلح وصفائی اور دوستانہ اور بہترین زندگی پر توجہ دی ہے، قرآن کریم میں بیان ہونے والی الٰہی نعمتوں میں سے ایک نعمت مسلمانوں کے دلوں میں الفت ومحبت پیدا ہونا ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''**کنتم اعداء فالّف بین قلوبکم**'' (۱۴۷) یاد کرو اس وقت کو کہ جب تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے اور خداوند عالم نے تمہارے دلوں میں ایک دوسری کی محبت ڈال دی۔

ایک دوسرے کے درمیان صلح وصفائی کرانا، خداوند عالم کی بخشش اور رحمت

کا سبب ہے۔ ''ان تُصلحوا و تتقوا فانّ اللّٰہ کان غفوراً رحیماً'' اور جو شخص مسلمانوں کی صلح وصفائی میں واسطہ قرار پائے تو اُسے بہترین جزا ملے گی:

''مَن یشفع شفاعةً حسنةً یکن لہ نَصیبٌ منھا''۔

اسلام نے مسلمانوں کے درمیان صلح وصفائی کرانے کے لئے خاص احکام بیان کئے ہیں، جیسے:

۱۔ جھوٹ بولنا اگرچہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر دو لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کرانے کے لئے ہو تو کوئی گناہ نہیں ہے: ''لا کذب علی المُصلح''۔

۲۔ نجوا، اور سرگوشی کرنا ایک شیطانی کام ہے اور اس کی ممانعت کی گئی ہے، لیکن اگر دو لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے:

''لا خیرَ فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس''۔

۳۔ اگرچہ قسم پر عمل کرنا واجب ہے اور اسے توڑنا حرام ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میں دو لوگوں کے درمیان صلح وصفائی نہیں کراؤں گا، تو اسلام نے اس قسم کی مخالفت کو جائز قرار دیا ہے:

''ولا تجعلوا اللّٰہ عُرضة لایمانکم ان۔۔۔ تصلحوا بین الناس''۔

اگرچہ وصیت پر عمل کرنا واجب ہے اور اسے ترک کرنا حرام ہے، لیکن اگر وصیت پر عمل کرنے سے کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہو یا چند لوگوں کے درمیان دشمنی پیدا ہوتی ہو تو اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وصیت پر عمل نہ کیا جائے تا کہ لوگوں کے درمیان صلح وصفائی برقرار رہے۔

''فَمَن خافَ مِن موصٍ جنفاً او اثماً فَاَصلح بینھم فلا اِثم علیہ''۔

دینی تعلقات اور دینی رشتے

سورہ رعد کی آیت نمبر ۲۱ میں صاحبان عقل کی ایک نشانی اُن چیزوں سے رابطہ رکھنا بتایا گیا ہے جن سے رابطہ رکھنے کے لئے خداوند عالم نے حکم دیا ہے: ''وَالَّذِیْنَ یَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّٰہُ بِہِ أَنْ یُوصَلَ''، اسی طرح روایات میں بیان ہوا ہے کہ خداوند عالم نے جن سے تعلق رکھنے کا حکم دیا ہے اُن سے صلہ رحم کرنا یعنی اپنے رشتہ داروں سے تعلقات برقرار رکھنا ہے، اسی طرح اپنے مکتب فکر سے متعلق افراد یعنی آسمانی رہبروں سے ہمیشگی اور گہرے تعلقات رکھنا اور ولایت کے راستہ کی پیروی کرنا ہے۔(۱۴۸)

جن تعلقات کو قائم کرنے کا حکم خداوند عالم نے دیا ہے وہ بہت زیادہ اور مختلف ہیں:

۱۔علماء سے ثقافتی رابطہ کا حکم:
''فسئلوا أھل الذّکر ان کنتم لا تعلمون''۔

۲۔لوگوں سے اجتماعی رابطہ رکھنے کا حکم:
''اِصبروا و صابِروا و رابِطوا''۔

۳۔والدین کے ساتھ محبت کے سلوک کا حکم: ''و بالوالدین احساناً''۔

۴۔غریبوں سے مالی رابطہ کے حکم:
''من ذا الذی یقرض اللّٰہ قرضاً حسناً''۔

۵۔معاشرہ کو منظم کرنے کے لئے فکری رابطہ کا حکم:
''وشاورھم فی الامر''۔

۶۔ولایت کے ساتھ سیاسی رابطہ رکھنے کا حکم:
''واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم''۔

۷۔ مومنین سے ہر لحاظ سے رابطہ: ''انّما المومنون اخوۃ''۔

۸۔ اولیائے الٰہی سے معنوی رابطہ:

''لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ أسوۃ حسنۃ''۔

❁❁❁❁❁

انتیسواں درس

گھر اور خاندان

جوانوں کی شادیوں کے سلسلہ میں ذمہ داری

''وَ أَنْکِحُوا الْأَیامی مِنْکُمْ وَ الصَّالِحینَ مِنْ عِبادِکُمْ وَ إِمائِکُمْ إِنْ یَکُونُوا فُقَراءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ اللّٰهُ واسِعٌ عَلیمٌ''۔[1]

''اور اپنے غیر شادی شدہ آزاد افراد اور اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے باصلاحیت افراد کے نکاح کا اہتمام کرو کہ اگر وہ فقیر بھی ہوں گے تو خدا اپنے فضل و کرم سے انہیں مالدار بنادے گا کہ خدا بڑی وسعت والا اور صاحبِ علم ہے''۔

''ایامی''، ''قَیِّم'' کے وزن پر ''اَیِّم'' کی جمع ہے جس کی زوجہ یا شوہر نہ ہو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور چاہے باکرہ ہو یا بیوہ۔

اسلام میں شادی ایک مقدس حکم ہے اور اس پر تاکید ہوئی ہے اور خاندان اور معاشرہ، غیر شادی شدہ لوگوں کی شادی کرانے کے ذمہ دار ہیں اور ضروری نہیں

---

[1]۔ سورہ نور، آیت ۳۲

ہے کسی خاص طرف سے رشتہ بھیجا جائے دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے رشتہ بھیجا جاسکتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے دولہا اور دلہن کی زندگی کے اخراجات کا وعدہ کیا ہے، اور شادی کو زندگی میں برکت اور وسعت کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

اسلام نے شادی کو ایک مقدس کام قرار دیا ہے، عیسائیت کے برخلاف جس میں شادی نہ کرنا ایک امتیاز شمار کیا جاتا ہے، لہٰذا عیسائیوں کا پادری شادی نہیں کرتا۔

ہم روایات میں پڑھتے ہیں: شادی سے انسان کا آدھا دین محفوظ ہوجاتا ہے۔ شادی شدہ شخص کی دو رکعت نماز، غیر شادی شدہ کی ستّر رکعت نمازوں سے بہتر ہے۔ شادی شدہ انسان کا سونا، غیر شادی شدہ بیدار روزہ دار سے بہتر ہے۔

اُن لوگوں کے برخلاف جو شادی کو فقر و غربت کا سبب قرار دیتے ہیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شادی سے انسان کی روزی میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام نے بھی فرمایا: شادی کے ذریعہ زندگی میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: جو شخص فقر و تنگدستی کے خوف سے شادی نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اُس نے خدا کے سلسلہ میں بدگمانی کی ہے۔

شادی، چین و سکون کا ذریعہ ہے (۱۴۹) شادی میں اہل خاندان ایک دوسرے کے نزدیک ہوجاتے اور دل ایک دوسرے کی نسبت مہربان ہوجاتے ہیں اور ایک پاک نسل کی تربیت کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔

جن ماں باپ کے لئے امکان فراہم ہوں لیکن وہ اپنی اولاد کی شادی نہ کریں تو اگر ان کی اولاد گناہ کرے تو اُن کے گناہ میں والدین بھی شریک ہیں۔

ہم روایات میں پڑھتے ہیں: شادی میں جلدی کرو، کیونکہ شادی کے قابل لڑکی پکے ہوئے پھل کی طرح ہے کہ اگر اسے درخت سے نہ توڑا جائے تو خراب ہوجاتا ہے۔

بہترین واسطہ شفاعت اور شادی میں واسطہ قرار پانا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے: جو شخص کسی لڑکے یا لڑکی کی شادی کرائے تو وہ شخص عرش الٰہی کے زیر سایہ ہوگا۔

البتہ خداوندعالم اس کے بعد کی آیت میں ارشاد فرماتا ہے: ''وَ لْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لا يَجِدُونَ نِكاحاً حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه ''اور جو لوگ نکاح کی وسعت نہیں رکھتے ہیں وہ بھی اپنی عفت کا تحفظ کریں یہاں تک کہ خدا اپنے فضل سے انھیں غنی بنادے''۔

جی ہاں، عمومی عفت اور پاکدامنی کے حوالہ سے خود جوانوں کو اپنی حفاظت کرنی چاہئے: ''ولیستعفف'' اور اہل خانہ اور حکومت کو بھی قدم بڑھانا چاہئے: ''وَ أَنْكِحُوا الْأَيامى''۔ اور معاشرہ کے صاحب حیثیت افراد کو آگے آنا چاہئے: ''و آتوهم من مال اللّٰه''۔

البتہ شادی میں میاں بیوی کے انتخاب میں جذبات کا غلبہ نہ ہو، جلد بازی سے کام نہ لیا جائے اور غور وفکر، مشورہ اور گفتگو کے بعد قدم بڑھایا جائے۔ میاں بیوی کے درمیان بہت سے اختلافات کی وجہ میاں بیوی کے انتخاب میں غور وفکر

نہ کرنا ہے۔ میاں بیوی، زندگی کے شریک ہیں اور ان کی تاثیر پوری زندگی یہاں تک کہ قیامت تک ہے۔ عام طور پر ایسی معمولی شادیاں جو ایک بس یا کسی پارک میں ملاقات کے بعد ہوتی ہیں، اُن کا سرانجام اچھا نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں میاں بیوی کے اقسام

قرآن کریم میں چار قسم کے میاں بیوی کا تذکرہ ہوا ہے:

۱۔ ایسے میاں بیوی جو ایک دوسرے کے ہم خیال اور کار خیر میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، (جیسے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کہ جن کے ہم خیال اور ایک دوسرے کے مددگار ہونے کا تذکرہ سورہ دہر کی مسلسل چند آیتوں میں ذکر ہوا ہے کہ انھوں نے مسلسل تین دن تک اپنی افطاری کا سامان، افطاری کے وقت، مسکین، یتیم اور اسیر کو دیدیا گیا:) ''**یطعمون الطعام**''۔

۲۔ ایسے میاں بیوی جو خباثت میں ہم خیال اور ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ (ابولہب اور اس کی زوجہ) ''**تبت یدا ابی لهب۔۔۔ و امرأته حمّالة الحطب**''، (ابولہب اگرچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا لیکن وہ بہت غلط کام کیا کرتا تھا اور اس کی زوجہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکڑیاں ڈال کر آپ کو تکلیف دیا کرتی تھی)

۳۔ شوہر اچھا ہو لیکن زوجہ، بُری، (حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ اور حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ) ''**کانتا تحت عبدین۔۔۔ فخانتاهما**''۔

۴۔ شوہر بُرا لیکن زوجہ اچھی، (فرعون کی زوجہ)

''وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً لِّلَّذِینَ آمَنُوا امرَأَتَ فِرعَونَ''۔

اہل خانہ کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داریاں

قرآن مجید کی متعدد آیات میں انسان کی اہل خانہ کی نسبت بہت سی ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں، جیسے:

''قوا انفسکم و اھلیکم ناراً''؛ یعنی خود کو اور اپنے اہل خانہ کو آتش جہنم سے بچاؤ۔

''وأمر اھلک بالصلاۃ و اصطبر علیھا''؛ یعنی اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دو اور اس پر پائیداری کرو۔

''وانذر عشرتک الاقربین''؛ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

''یا بنی اقم الصلاۃ وأمر بالمعروف''؛ اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو اور امر بالمعروف کرو۔

''انّا کنّا فی اھلنا مشفقین''؛ مومنین اپنے اہل وعیال کے سلسلہ میں شفقت سے کام لیتے ہیں اور وہ بے توجہ نہیں رہتے۔

''و کان یأمر اھلہ بالصلاۃ''؛ پیغمبر اپنے اہل خانہ کو ہمیشہ نماز کی تاکید کیا کرتے تھے۔

اسی طرح بہت سی روایات میں اس موضوع پر اشارہ ہوا ہے:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سب اپنے ماتحت لوگوں کے سلسلہ میں ذمہ دار ہو؛ مرد، اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار، اور عورت اپنے شوہر اور بچوں کی ذمہ دار ہے۔(۱۵۱)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''**علّموا انفسکم و اھلیکم الخیر و ادّبوھم**'' (۱۵۳)؛ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو خیر کی تعلیم دو اور انھیں ادب سکھاؤ۔

❁❁❁❁❁

تیسواں درس

کامیاب ہونے والوں کی عید

قرآن کی نظر میں کامیاب ہونے والے

"قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ"۔[1]

"یقیناً صاحبانِ ایمان کامیاب ہوگئے۔ جو اپنی نمازوں میں گڑگڑانے والے ہیں۔ اور لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں"۔

قرآن کریم میں بہت سے گروہوں کو کامیاب و رستگار کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے:

۱۔ عبادت گزار: "**وأعبدوا ربّكم وافعلوا الخير لعلّكم تفلحون**"؛ تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو شاید تم کامیاب ہوجاؤ۔

۲۔ جن لوگوں کے اعمال بھاری ہیں:

"**فَمَن ثَقُلت مَوازِينه فاولئک هم المفلحون**"۔

---

[1] ۔ سورہ مومنون، آیت ۱ تا ۳

۳۔بخل سے دوری کرنے والے:

''و مَن یُوقَ شُحَّ نفسه فاولئک هم المفلحون''۔

۴۔حزب اللہ:''اَلا اِنَّ حزب اللّٰه هم المفلحون''۔

۵۔ بہت زیادہ ذکر خدا کرنے والے:''**واذکروا اللّٰه کثیراً لعلکم مفلحون**''؛خدا کو بہت یاد کروتا کہ کامیاب ہوجاؤ۔

۶۔تقوی اختیار کرنے والے:''**فاتقوا اللّٰه یا اولی الالباب لعلکم مفلحون**''؛اے صاحبان عقل!تقوی اختیار کروشاید کہ کامیاب ہوجاؤ۔

۷۔مجاہدین:''**وجاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون**''؛راہ خدا میں جہاد کروشاید کہ کامیاب ہوجاؤ۔

۸۔توبہ کرنے والے:''**توبوا الی اللّٰه جمیعاً ایّها المومنون لعلکم تفلحون**''؛اے ایمان لانے والو!تم سبھی توبہ کروشاید کہ کامیاب ہوجاؤ۔

عیدفطر،ایک الٰہی تحفہ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب شوال کی پہلی تاریخ (عیدفطر) آتی ہےتو خداوندعالم کی طرف سے ایک منادی، آسمان سے اعلان کرتا ہے:''**یَا اَیّهَا الْمُومِنُونَ! اغْدُوا اِلٰی جَوَائِزِکُمْ**''!اے مومنو! اپنے انعامات کے لئے دوڑو، اس کے بعد امام علیہ السلام نے جناب جابر کی طرف رخ کیااور فرمایا:اے جابر! خداوندعالم کا انعام، دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں ہے،۔۔۔آج انعام پانے کا دن ہے!

امام مجتبیٰ علیہ السلام نے عیدفطر کے دن کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ہنستے ہوئے

کھیل میں مشغول ہیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: خداوندعالم نے رمضان المبارک کو مقابلہ کا میدان اور اپنی رحمت ورضا حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے جن میں سے بعض لوگ کامیاب ہوئے اور بعض لوگ ناکام ہوگئے ہیں، تعجب ہے اُن لوگوں پر جو اس جزا کے دن، خوشی منانے اور کھیل کود میں مشغول ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: خداوندعالم نے روز فطر کو اس وجہ سے ''عید'' قرار دیا تاکہ مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرے اور وہ سب خداوندعالم کے احسان اور نعمتوں کی وجہ سے اس کی تعظیم وتمجید کریں، لہٰذا وہ دن، روزِ عید اور اجتماع کا دن اور زکوۃ (فطرہ) اور خدا کی طرف رغبت اور اس سے دعا ومناجات کا دن قرار پایا۔

اس حدیث شریف میں اس عید اور نماز عید کے فلسفہ کو درج ذیل نکات میں بیان کیا ہے:

۱۔ اجتماع اور ایک عظیم الشان جلسہ۔

۲۔ زکوۃ (فطرہ) کی ادائیگی اور غریبوں کی امداد۔

۳۔ خدا کی طرف رغبت اور رجحان۔

۴۔ خدا کی بارگاہ میں تضرع اور گریہ۔

قیامت کی یاد

نماز عید فطر میں تربیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس اجتماع اور نیاز مندی کی حاضری اور بغیر چھت کی عبادتگاہ (عیدگاہ) میں، انسان، خدا، قیامت اور رحمت

الٰہی کی ضرورت کا احساس کرتا ہے اور قیامت کا منظر اس کے سامنے مجسم ہوجاتا ہے۔

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے روز عید فطر کے خطبہ میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! آج کا دن ایک ایسا دن ہے جس میں نیک لوگ انعام پاتے ہیں اور بُرے لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہ روز، قیامت کے دن سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

اپنے گھر سے عید کی طرف جاتے وقت، اپنی قبر سے باہر نکلنے کو یاد کرو اور عیدگاہ میں نماز کے انتظار میں، قیامت کے دن خدا کی بارگاہ میں حاضری کو یاد کرو۔ اور اپنے گھروں میں واپسی کے ذریعہ، جنت یا دوزخ میں اپنے گھروں میں جانے کو یاد کرو۔

عید کی نماز کے قنوت میں ''اللّٰھم اھل الکبریاء و العظمۃ۔۔۔'' کے ذریعہ خدا کی عظمت، کبریائی، عفو و بخشش اور رحمت کو یاد کریں، اور اس عظیم الشان روز کی عظمت اور حق کے واسطہ سے کہ جسے خداوند عالم نے مسلمانوں کے لئے عید اور محمد و آل محمد کے لئے شرافت و افتخار کا دن قرار دیا ہے، اس روز خدا سے دعا کریں کہ ''محمد و آل محمد'' پر درود و سلام بھیجے اور ہمیں اپنی خیر و برکت سے نوازے۔

اور یہ دعا کریں کہ خدایا! اس دن محمد و آل محمدؐ کو جو خیر عطا کیا ہے ہمیں بھی وہی خیر عطا فرما اور جس برائی سے محمد و آل محمدؐ کو دور رکھا ہے ہمیں بھی اس برائی سے

دور فرما۔

خدایا! میں تجھ سے اُن بہترین چیزوں کا سوال کرتا ہوں جس کا سوال تیرے صالح بندوں نے کیا ہے اور ہر اس برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ جس سے تیرے مخلص بندوں نے پناہ حاصل کی ہے۔

مُردوں کی یاد

اس روز مسلمانوں کے درمیان ایک بہترین سنت، مرحومین کی قبروں پر جانا اور اُن کا احترام کرنا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زُرِ القُبورَ تُذکّرُ بِها الآخِرةَ''، یعنی قبرستان جایا کرو اور اہل قبور کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ کام تمہیں آخرت کی یاد دلاتا ہے۔

نیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر شب جمعہ اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جائے تو اُس کے گناہ بھی بخش دئے جاتے ہیں اور وہ شخص خداوند عالم کی نظر میں نیک انسان شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح ہم روایات میں پڑھتے ہیں: والدین کی قبروں کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: اگر کسی مومن کی قبر کی زیارت کے وقت سات مرتبہ سورہ قدر کی تلاوت کی جائے تو میت پر بھی اور اس کی قبر کی زیارت کرنے والے پر بھی خداوند عالم کی طرف سے رحم و کرم اور بخشش کی بارش ہوتی ہے۔

روایات میں بیان ہوا ہے کہ مُردوں کو تمہاری زیارت کی خبر ہوتی ہے، وہ اس کام سے خوش اور تم سے مانوس ہوتے ہیں اور اس کام کی وجہ سے تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

حوالہ جات:

۱۔تفسیر برہان۔

۲۔وسائل الشیعہ ،جلد ۷،صفحہ ۱۱۹۔

۳۔امالی شیخ صدوق،جلد،صفحہ ۹۳ تا ۹۶۔

۴۔کافی،جلد ۲،صفحہ ۱۸۔

۵۔تفسیر المنار۔

۶۔تفسیر روح البیان۔

۷۔تفسیر مراغی۔

۸۔تفسیر نور الثقلین۔

۹۔بحار،جلد ۶۰،صفحہ ۳۸۔

۱۰۔تفسیر نور الثقلین۔

۱۱۔تفسیر برہان۔

۱۲۔کنز العمال،جلد ۸،صفحہ ۴۵۹۔

۱۳۔سورہ انسان،آیت ۹۔

۱۴۔ کافی، جلد ۴، صفحہ ۵۱۔
۱۵۔ تفسیر نور الثقلین۔
۱۶۔ مقدمہ تفسیر سورہ واقعہ۔
۱۷۔ رسالۃ الانصاف۔
۱۸۔ صحیفہ نور، جلد ۲۰، صفحہ ۲۰۔
۱۹۔ کافی، جلد ۲، صفحہ ۶۲۷۔
۲۰۔ کافی، جلد ۴، صفحہ ۲۲۸۔
۲۱۔ سورہ ذاریات، آیت ۵۶۔
۲۲۔ سورہ انفال، آیت ۲۴۔
۲۳۔ توحید صدوق؛ تفسیر مجمع البیان اور تفسیر نور الثقلین۔
۲۴۔ تفسیر اثنی عشری۔
۲۵۔ سورہ اعراف، آیت ۱۸۰۔
۲۶۔ تفسیر فرقان۔
۲۷۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰۔
۲۸۔ نہج البلاغہ، حکمت ۲۵۲۔
۲۹۔ کنز العمال، جلد ۳، صفحہ ۱۷۰۔
۳۰۔ سورہ مائدہ، آیت ۷۸۔
۳۱۔ بحار، جلد ۴۴، صفحہ ۳۲۸۔
۳۲۔ سورہ فصلت، آیت ۳۳۔

۳۳۔ سورہ انعام، آیت ۵۴۔

۳۴۔ سورہ اعراف، آیت ۱۵۶۔

۳۵۔ سورہ انبیاء، آیت ۱۰۷۔

۳۶۔ سورہ نساء، آیت ۶۹۔

۳۷۔ تفسیر قرطبی اور تفسیر مجمع البیان۔

۳۸۔ سورہ محمد، آیت ۱۷۔

۳۹۔ بحار، جلد ۸۷، صفحہ ۳۔

۴۰۔ کافی، باب الاقتصاد فی العبادات۔

۴۱۔ سورہ اعراف، آیت ۱۶۔

۴۲۔ تہذیب الاحکام، جلد ۲، صفحہ ۱۲۰۔

۴۳۔ سورہ توبہ، آیت ۱۰۳۔

۴۴۔ سورہ مریم، آیت ۳۱۔

۴۵۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۴۔

۴۶۔ سورہ انبیاء، آیت ۷۳۔

۴۷۔ وسائل الشیعہ، جلد ۶، صفحہ ۴۔

۴۸۔ مولف کی کتاب خمس کی طرف رجوع کریں۔

۴۹۔ تفسیر صافی۔

۵۰۔ تفسیر نمونہ۔

۵۱۔ وسائل الشیعہ، جلد ۶، کتاب الخمس۔

۵۲۔سورہ مریم، آیت ۳۲۔

۵۳۔سورہ مریم، آیت ۱۴۔

۵۴۔کافی، جلد ۲، صفحہ ۱۱۸۔

۵۵۔سورہ مریم، آیت ۱۴ اور ۳۲۔

۵۶۔میزان الحکمہ۔

۵۷۔تفسیر نمونہ۔

۵۸۔بحار، جلد ۷۱، صفحہ ۴۴۔

۵۹۔سورہ ابراہیم، آیت ۲۸۔

۶۰۔سورہ نمل، آیت ۴۰، سورہ لقمان، آیت ۱۲۔

۶۱۔سورہ اسراء، آیت ۳۔

۶۲۔سورہ نمل، آیت ۱۹۔

۶۳۔سورہ حجرات، آیت ۷۔

۶۴۔کافی، باب الشکر، حدیث ۲۵۔

۶۵۔وسائل، جلد ۱۰، صفحہ ۴۴۶۔

۶۶۔سورہ بقرہ، آیت ۲۸۲۔

۶۷۔مستدرک الوسائل، جلد ۱۱، حدیث ۱۲۶۷۶۔

۶۸۔سورہ ضحیٰ، آیت ۹۔

۶۹۔سورہ ضحیٰ، آیت ۱۰۔

۷۰۔سورہ توبہ، آیت ۱۰۲۔

۷۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۱۶۔

۷۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۶۔

۷۳۔ بحار، جلد ۴۵، صفحہ ۱۱۶۔

۷۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۶۳ تا ۷۳۔

۷۵۔ سورہ توبہ، آیت ۴۰۔

۷۶۔ سورہ مائدہ، آیت ۳۱۔

۷۷۔ سورہ نمل، آیت ۲۸۔

۷۸۔ سورہ فیل، آیت ۳۔

۷۹۔ سورہ اعراف، آیت ۱۰۷۔

۸۰۔ سورہ صافات، آیت ۱۴۲۔

۸۱۔ سورہ سبأ، آیت ۱۴۔

۸۲۔ سورہ کہف، آیت ۱۸۔

۸۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۶۰۔

۸۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۹۔

۸۵۔ سورہ حج، آیت ۳۶۔

۸۶۔ سورہ غاشیہ، آیت ۱۷۔

۸۷۔ سورہ مائدہ، آیت ۹۴۔

۸۸۔ سورہ اعراف، آیت ۷۳۔

۸۹۔ سورہ اعراف، آیت ۳۳۔

۹۰۔سورہ شعراء، آیت ۹۸۔
۹۱۔سورہ اعلی، آیت ۱۔
۹۲۔سورہ حجر، آیت ۸۷۔
۹۳۔سورہ واقعہ، آیت ۷۷۔
۹۴۔سورہ ق، آیت ۱۔
۹۵۔سورہ احزاب، آیت ۵۶۔
۹۶۔بحار، جلد ۲۷، صفحہ ۲۳۸۔
۹۷۔سورہ بقرہ، آیت ۲۴۸۔
۹۸۔سورہ لقمان، آیت ۱۴۔
۹۹۔سورہ طہ، آیت ۱۲۔
۱۱۰۔سورہ توبہ، آیت ۲۸۔
۱۰۱۔سورہ اعراف، آیت ۳۱۔
۱۰۲۔سورہ نساء، آیت ۴۳۔
۱۰۳۔سورہ بقرہ، آیت ۱۲۵۔
۱۰۴۔سورہ آل عمران، آیت ۳۵۔
۱۰۵۔سورہ توبہ، آیت ۵۵۔
۱۰۶۔بحار، جلد ۱، صفحہ ۲۱۶۔
۱۰۷۔موسوعۃ کلمات الامام۔
۱۰۸۔تفسیر نور الثقلین۔

۱۰۹۔ سورہ انفال، آیت ۱۰۸۔

۱۱۰۔ سورہ نساء، آیت ۴۳۔

۱۱۱۔ بحار، جلد ۱۹، صفحہ ۳۵۔

۱۱۲۔ سورہ توبہ، آیت ۱۲۲۔

۱۱۳۔ سورہ دخان، آیت ۴۔

۱۱۴۔ وسائل، جلد ۳، صفحہ ۳۰۷۔

۱۱۵۔ بحار، جلد ۹۵، صفحہ ۱۶۹۔

۱۱۶۔ بحار، جلد ۹۴، صفحہ ۱۰۔

۱۱۷۔ تفسیر مجمع البیان۔

۱۱۸۔ وسائل، جلد ۸، صفحہ ۲۰۔

۱۱۹۔ من لایحضرہ، جلد ۲، صفحہ ۱۵۸۔

۱۲۰۔ سورہ بروج، آیت ۲۲۔

۱۲۱۔ تفسیر نور الثقلین اور تفسیر نمونہ۔

۱۲۲۔ سورہ تحریم، آیت ۴۔

۱۲۳۔ سورہ فرقان، آیت ۵۷۔

۱۲۴۔ کافی، جلد ۲، صفحہ ۱۸۔

۱۲۵۔ بحار، جلد ۷، صفحہ ۱۸۶۔

۱۲۶۔ بحار، جلد ۷۲، صفحہ ۱۶۷۔

۱۲۷۔ بحار، جلد ۴۳، صفحہ ۳۶۲۔

۱۲۸۔ سورہ احزاب، آیت ۵۷۔

۱۲۹۔ تفسیر نمونہ و تفسیر صافی۔

۱۳۰۔ الغدیر، جلد ۲، صفحہ ۵۲، احقاق الحق، جلد ۲، صفحہ ۴۰۰ اور کنز العمال، جلد ۶، صفحہ ۳۹۱۔

۱۳۱۔ تاویل ال آیات، صفحہ ۳۰۴۔

۱۳۲۔ صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۱۳۰۔

۱۳۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۶۔

۱۳۴۔ مسند احمد، جلد ۳، صفحہ ۱۲۔

۱۳۵۔ خصال، صفحہ ۶۲۴۔

۱۳۶۔ مسند احمد، جلد ۵، صفحہ ۴۳۔

۱۳۷۔ سنن ابی داؤد، جلد ۳، صفحہ ۱۵۔

۱۳۸۔ مسند احمد، جلد ۲، صفحہ ۱۷۴۔

۱۳۹۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۵۔

۱۴۰۔ سورہ تحریم، آیت ۸۔

۱۴۱۔ کتاب معاد کی طرف رجوع کریں۔

۱۴۲۔ بحار، جلد ۷۳، صفحہ ۱۹۷۔

۱۴۳۔ بحار، جلد ۳۸، صفحہ ۳۳۵۔

۱۴۴۔ سورہ نساء، آیت ۱۷۶۔

۱۴۵۔ بحار، جلد ۷۸، صفحہ ۷۱۔

۱۴۶۔ بحار، جلد ۷۴، صفحہ ۲۳۶۔

۱۴۷۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳۔

۱۴۸۔ تفسیر صافی۔

۱۴۹۔ سورہ روم، آیت ۲۱۔

۱۵۰۔ میزان الحکمہ۔

۱۵۱۔ مجموعہ ورّام، جلد ۱، صفحہ ۶۔

۱۵۲۔ منیۃ المرید، صفحہ ۳۸۰۔